www.urducouncil.nic.in

اگست 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ

اُردو دُنیا

نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

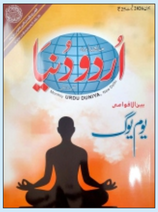

اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق ’خبر نامہ‘ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی

فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

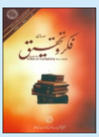

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے
مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	جشنِ یومِ آزادی	
ہم آزاد وطن کے بچے	شبنم کمالی	07
قومی ترانہ	سید محمد ابراہیم فکری	08
تحریک آزادی کے رہنما	عادل حیات	10
یومِ آزادی : قربانی، جدو جہد، اتحاد.....	فہیم اشرف	14
یومِ آزادی	محمد سلمان	17
آزادی	فردوس بانو	20
	تعلیم و تربیت	
بچوں کی ذہنی نشو و نما میں گھر اور اسکول کا باہمی کردار	احسان عالم	21
بچوں کی تربیت میں دادا دادی اور نانا نانی کے کردار	رضوانہ سید	24
	نظمیں	
برسات	سیدہ فرحت	26
موسم	ناصر الدین قمر الدین ناصر	27
موسم چاچا	علی شاہد دلکش	28
یحییٰ کا تھیلا	تابش ردولوی	29
دوستی کیجیے کتابوں سے	یاسین انصاری	30
میرا قلم	رخشاں ہاشمی	31
	کہانیاں	
ادھورا چاند	پرویز مانوس	32
بارش آئی چھم چھم چھم	شاہ تاج خان	35
بچپن کی وہ برساتیں	رومانہ عفت راہی	40
	باتصویر کہانی	
انوکھے شکاری (قسط 2)	شمس الاسلام فاروقی	43
	سائنس	
پرندوں کی خصوصیات	اطہر پرویز	48
	صحت	
آٹزم (Autism)	عبدالرحمن شافی	51
	کھیل/کھلاڑی	
آئی پی ایل 2026	عمران احمد	55
	تعارف و تبصرہ	
کائیں کائیں	مشتاق احمد نوری/محمد عفان	58
	جنرل نالج	
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	60
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ : 08 اگست 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 011-35151992

شعبہ ادارت: 011-35152009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا۔ 201301 (یوپی)

قیمت: -/15 روپے، سالانہ : -/145 روپے

قلمکاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل

اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون: 011-26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد- 500002

فون: 040-24415194

پیارے بچو! ہر ملک کے لیے کچھ ایسے یادگار دن ہوتے ہیں جو اس کی تاریخ، تہذیب، شناخت اور قومی شعور کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے لیے 15 اگست 1947 ایسا ہی ایک تاریخی دن ہے۔ اسی تاریخ کو ہمارا ملک ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔

بچو! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہر فرد کا کھلی فضا میں سانس لینا، اپنی زبان بولنا، اپنے خیالات کا اظہار کرنا اور اپنی مرضی کے

مطابق زندگی گزارنا بہت ضروری ہے۔ آزادی کسی بھی قوم کو آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بہت سی قربانیاں پیش کرنی ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی آزادی میں بھی کئی بڑے بڑے لوگوں کی قربانیاں شامل ہیں۔ ان میں پہلا نام بہادر شاہ ظفر کا ہے جنھوں نے 1857 کی بغاوت کے ذریعے اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس کے بدلے انگریزوں نے انھیں گرفتار کرکے رنگون (موجودہ میانمار) بھیج دیا۔ ان کے علاوہ ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے میں اہم رول ادا کیا۔ ان جانبازوں میں منگل پانڈے، رانی لکشمی بائی، بیگم حضرت محل، مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، نیتا جی سبھاش چندر بوس، بھگت سنگھ، چندر شیکھر آزاد، رام پرساد بسمل، اشفاق اللہ خان، مولانا ابوالکلام آزاد، سروجنی نائیڈو، لالہ لاجپت رائے، اُدھم سنگھ، خان عبدالغفار خان، کاما دیوی چٹو پادھیائے، مولانا فضلِ حق خیرآبادی، مولوی احمد اللہ شاہ، نانا صاحب پیشوا، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان مجاہدین نے مذہب اور ذات سے اوپر اٹھ کر ملک کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔

عزیز بچو! اگست 1947 ہمارے بزرگوں اور ملک کے ان گنت بہادروں کی یاد دلاتا ہے۔ تمام ہندوستانیوں کو چاہیے کہ وہ مجاہدین آزادی کو اپنی یادوں میں شامل رکھیں، اور یوم آزادی کے موقعے پر ان کی قربانیوں کو ضرور یاد کریں۔

پیارے بچو! یوم آزادی ہم سب کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ہم اپنے ملک ہندوستان سے محبت کریں اور اس کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آزاد ہندوستان کو آگے لے جائیں، اسے مضبوطی بخشیں، ترقی یافتہ بنائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری خود ادا کرے۔

آزادی صرف حق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری بھی ہے۔ ایک اچھا شہری ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ ہم قانون کا احترام کریں، ایمانداری، محنت اور نظم و ضبط کو اپنائیں، تعلیم حاصل کریں، ماحول کی حفاظت کریں اور ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ طلبہ خصوصاً اس بات کو یاد رکھیں کہ آج کی محنت کل کے روشن ہندوستان کی بنیاد ہے۔ اگر ہم علم، اخلاق اور خدمتِ وطن کو زندگی کا حصہ بنالیں تو اپنے ملک کو مزید مضبوط اور خوشحال بنا سکتے ہیں۔

آج ہندوستان تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت، زراعت اور دیگر شعبوں میں نمایاں ترقی کر رہا ہے۔ یہ کامیابیاں ہمیں ان قربانیوں کی یاد دلاتی ہیں جو آزادی کے حصول کے لیے دی گئیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اگست 2026 کے شمارے میں یوم آزادی کی مناسبت سے ایک گوشہ شامل کیا جارہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس گوشے میں شامل مضامین اور نظموں کا مطالعہ کریں گے اور تحریک آزادی سے سبق لیتے ہوئے 'وکست بھارت 2047' کے خواب کو پورا کرنے میں اپنا تعاون بھی پیش کریں گے۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ ماہ جولائی 2026 کا شمارہ موصول ہوا۔ اس شمارے میں میری نظم ’تھک جاتا ہوں‘ شائع ہوئی ہے۔ اس کے لیے میں آپ سبھی حضرات کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ ’بچوں کی دنیا‘ میرا محبوب رسالہ ہے۔ یہ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ملک کے کونے کونے میں اس کی شہرت پھیل رہی ہے۔ خوبصورت سرورق، عمدہ اور نفیس کاغذ، بہترین طباعت، پیاری پیاری نظمیں، معلوماتی اور معیاری مضامین، سبق آموز کہانیاں اور معلومات عامہ اس کی خصوصیات میں شامل ہیں۔

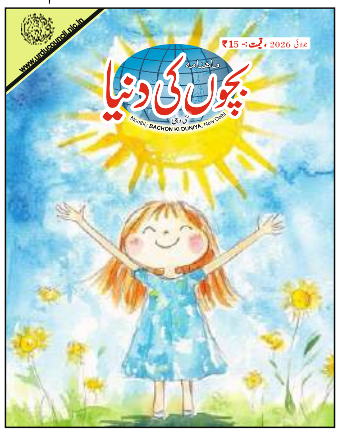

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ صوبہ بہار کے Zila Urdu Language Cell Motihari کے آفیسر انچارج ہر مہینے ’بچوں کی دنیا‘ کی 500 کاپیاں منگواتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں رسالے منگوا کر اردو سے محبت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ ان کے اس عمل سے میں ان کی اردو دوستی کا معترف ہو گیا ہوں۔ یہ اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ اردو کی عظمت اور اس سے محبت و الفت کا جذبہ بہ حد درجہ ان کے دل میں جاگزیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ملک کے ہر صوبے میں سرکاری اور غیر سرکاری ادارے جو اردو کے فروغ کے لیے قائم ہیں زیادہ سے زیادہ رسالے منگوا کر لوگوں میں تقسیم کریں تاکہ اردو کا خاطرخواہ فروغ ہو سکے۔ میں ’بچوں کی دنیا‘ کے توسط سے اردو سیل کے آفیسر انچارج کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

موتیہاری ضلع اردو سیل کے جو انچارج ہیں
ان کی اردو دوستی کو جان کر دل شاد ہے
ہر مہینے لیتے ہیں بچوں کی دنیا پانچ سو
میری جانب سے انھیں ڈھیروں مبارکباد ہے

محمد وزیر عالم، مدرسہ رحمت العلوم نوکا ٹولہ رکسول، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کا شمارہ جولائی 2026 موصول ہوا خوبصورت سرورق اور صفحات کی عمدگی نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا، مشتملات بھی کافی اہم محسوس ہوئے، اداریہ اردو قواعد سے متعلق ہے جس میں اردو زبان کے بنیادی قواعد و اصول پر اچھی بحث کی گئی ہے، کسی بھی زبان کو بہتر طور پر بولنے اور لکھنے کے لیے قواعد و اصول سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں بالخصوص بچوں کے لیے اس لیے

بھی کہ وہ زبان سیکھنے کے ابتدائی مرحلے میں ہوتے ہیں، اگر اسی مرحلے میں قواعد واصول کے حوالے سے ان کی تربیت ہوجائے تو یہ مستقبل کے لیے بہت ہی سودمند ہوگی۔ اداریہ تربیت کے اس تقاضے کو بخوبی پورا کرتا محسوس ہوتا ہے۔

سی بی ایس ای کا سہ لسانی فارمولہ اچھا مضمون ہے جس کی ترجمانی محترم مدیر کے ذریعے بہت ہی خوبصورت انداز میں کی گئی ہے، جس سے ذہن ایک خاص روانی کے ساتھ مضمون کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ 'سوشل میڈیا اور بدلتا ہوا معاشرہ' موجودہ دور کے تناظر میں بہت ہی عمدہ مضمون ہے اس لیے کہ سوشل میڈیا نے جس تیزی کے ساتھ معاشرے کی ذہنیت، رویے اور قدروں کو تبدیل کیا ہے وہ بہت ہی حیران کن ہے۔ 'ہندوستانی ریلوے: کل آج اور کل' کافی معلوماتی مضمون ہے جس میں ریلوے کی تاریخ، اس میں ہو رہی تبدیلی اور امکانات کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نظمیں اور کہانیاں والے حصے معنویت سے پر ہیں۔ ان کے مشتملات بچوں کی ذہنی سطح سے بہت ہی ہم آہنگ محسوس ہوتے ہیں۔ باتصویر کہانی، سائنس، صحت اور تعارف و تبصرہ کے ساتھ زبان شناسی والا حصہ اس اعتبار سے بھی کافی اہم ہے کہ اس میں دو مضامین زبان کی ساخت اور بنیادی اصول کے حوالے سے ہیں جو بچوں بلکہ بڑوں کے لیے بھی فائدے مند ہیں۔ گویا اس شمارے کا بنیادی موضوع زبان شناسی ہے یہی وجہ ہے کہ اداریہ میں بھی اسی کے پہلوؤں کو سامنے رکھا گیا۔ مجموعی طور پر بچوں کی دنیا کا شمارہ جولائی 2026 عمدہ، معلوماتی اور اہمیت کا حامل ہے جس کے لیے محترم مدیر اور ان کی ادارتی ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد!

زیان انور، اوکھلا وہار جامعہ نگر نئی دہلی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون 2026 کا شمارہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس شمارے میں وزیر تعلیم عزت مآب جناب دھرمیندر پردھان کے انٹرویو کے ساتھ دو اہم گوشے شامل ہیں۔ ایک 'بین الاقوامی یوم یوگ' اور دوسرا 'بین الاقوامی یوم ماحولیات'۔ دونوں گوشوں کا تعلق صحت کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ یوگا کرنے سے بہت سی بیماریاں خود بخود دور ہوجاتی ہیں، اسی لیے 21 جون کو پوری دنیا میں یوگا ڈے منایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی اس دن کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، سرکاری دفاتر کے علاوہ اسکولوں میں بھی پروگرام منائے جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں 'ماحولیات کی حفاظت' بھی ہم انسانوں کی ذمے داری ہے، اگر اس تعلق سے خاطر خواہ قدم نہیں اٹھائے گئے تو انسانی جانوں کے ساتھ چرند و پرند کے لیے بھی خطرات ہیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شمارے میں دونوں گوشوں کی شمولیت ایک مثبت قدم ہے۔ اس شمارے کا اداریہ بھی بہت خاص ہے، اداریے میں منتری جی کے انٹرویو کے ساتھ دونوں گوشوں کی شمولیت کے بارے میں اچھی گفتگو کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اس شمارے میں 7 نظمیں، دو کہانیاں، بھی شامل ہیں جو بہت عمدہ اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ قاسم خورشید کی باتصویر کہانی بھی بہت عمدہ ہے۔ کھیل/ کھلاڑی بچوں کا پسندیدہ کالم ہے، اس لحاظ سے اس سائڈ بار کے مضمون کی شمولیت مستحسن قدم ہے۔ اس کے علاوہ سائنس اور صحت کے متعلق مضامین بھی بہت عمدہ ہیں۔

محمد حمزہ، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی

شبنم کمالی

ہم آزاد وطن کے بچے

ہم آزاد وطن کے بچے — عزم کے پکے قول کے سچے
چال چلن سب اپنے اچھے — عقل میں پکے عمر میں کچے
ہم آزاد وطن کے بچے

ہے آکاش پہ اپنی منزل — گلشن، صحرا اپنی محفل
موجِ دریا اپنا ساحل — ہم ہیں عاقل، ہم ہیں کامل
ہم آزاد وطن کے بچے

پیارا پیارا اپنا گلشن — پھول ہیں جس میں نرگس سوسن
دریا اس کا اپنا درپن — نغمہ نغمہ دل کی دھڑکن
ہم آزاد وطن کے بچے

سورج ہو یا چاند یا تارے — سب کے سب ہیں دوست ہمارے
دھرتی کے ہم راج دلارے — کرتے ہیں تاروں کو اشارے
ہم آزاد وطن کے بچے

■

ماخذ: گیت گاتے رہو، **مصنف**: شبنم کمالی، **پہلی اشاعت**: 2013، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

قومی ترانہ

قومی ترانے کی ضرورت

کانگریس کے جلسوں میں وندے ماترم کا گیت اور جن گن من کا ترانہ دونوں ہی پڑھے اور گائے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا کا ترانہ بھی گایا جاتا تھا۔ اس کا احساس برابر کیا جاتا رہا ہے کہ ایک قومی ترانہ سارے ملک کے لیے بہت ضروری ہے۔ 1937 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بھارت کے قومی ترانے کے انتخاب پر مشورہ دینے کے لیے مولانا آزاد، جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس اور نریندر دیو پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنائی تھی۔

ہندوستان کے آزاد ہونے پر قومی ترانے کا سوال ایک مرتبہ پھر بڑی سنجیدگی سے ہمارے سامنے آیا۔ اس واسطے کہ آزادی سے پہلے کے قومی ترانوں کی اہمیت و ضرورت صرف وقتی تھی۔ آزادی مل جانے کے بعد ہمیں اب سرکاری طور پر ایسے مستقل قومی ترانے کی ضرورت تھی جو ایک آزاد قوم کے اچھے کردار اور قومی مقصد اور وطن کی محبت سے بھرپور جذبات کو شعر و نغمہ کے لباس میں ہمارے عزائم و حوصلوں کو بیان کر سکے۔

آزادی کے بعد قومی ترانے کا مسئلہ

15 اگست 1947 کو ہندوستان آزاد ہوا۔ اس دن آدھی رات میں ٹھیک بارہ بجے ہندوستانیوں کو اپنے ملک کے انتظام کی ذمے داری سونپ دی گئی۔ اس وقت تک ہندوستان کے کسی خاص قومی ترانے کا تعین نہیں ہو سکا تھا۔ اس لیے آزادی کی اس پہلی تقریب کے موقعے پر ہندوستان کی مشہور خاتون شریمتی سوچیتا کرپلانی نے ’سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا‘ نظم کے چند اشعار اور اس کے ساتھ ’وندے ماترم‘ کا پہلا اور ’جن گن من‘ کا پہلا بند گایا۔

ہندوستان کی پہلی خاتون ساز اسمبلی میں قومی ترانے کے بارے میں تقریریں ہوئیں۔ بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے اپنی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا اس کا خلاصہ نیچے لکھا جا رہا ہے۔ اس تقریر سے آپ کو قومی ترانے کی اہمیت و ضرورت کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ انھوں نے کہا:

''میں نے اپنی لمبی زندگی میں بہت سے سمندر پار کر کے سفر کیے ہیں، میں قدرتی لحاظ سے اور قسمت کے لحاظ سے آوارہ گرد واقع ہوئی ہوں۔ میں نے آزاد ملکوں میں دلی دکھ اٹھایا ہے۔''

1919 میں جس دن پچھلی جنگ عظیم کے بعد ورسیلز کے مقام پر صلح کے عہد نامے پر دستخط ہوئے تو اس وقت میں پیرس میں تھی۔ ہر جگہ بڑی خوشی اور مسرت تھی، تھیٹر ہاؤس پر تمام ملکوں کے جھنڈے اس کی رونق بڑھا رہے تھے۔ اس وقت اسٹیج پر ایک مشہور ایکٹرس آئی جس کی آواز بڑی خوبصورت تھی۔ اس نے فرانس کا جھنڈا اپنے گرد لپیٹ لیا اور تمام حاضرین کھڑے ہو گئے اور اس کے ساتھ سب نے فرانس کا قومی ترانہ گایا۔ میرے پاس ایک ہندستانی بیٹھا ہوا تھا جس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، مجھ سے یوں کہنے لگا ہمارا جھنڈا کب بنے گا؟ میں نے جواب دیا وہ وقت جلد آ رہا ہے۔ جب ہمارا اپنا جھنڈا ہوگا اور اپنا قومی گیت۔

1947 کے بعد ایک بحث چھڑ گئی کہ ہندوستان کے قومی ترانے کے لیے 'وندے ماترم' یا 'جن گن من' سے کس کو اپنایا جائے۔ پنڈت جواہر لال نے 25 اگست 1948 کو ایک بیان اس سلسلے میں دیا۔ انھوں نے کہا:

15 اگست 1947 کے بعد ہمیں ایک ایسے قومی ترانے کی ضرورت محسوس ہوئی جو بینڈ اور آرکسٹرا پر بجایا جا سکے۔ اس کی ضرورت نہ صرف فوجوں کو تھی بلکہ ہندوستان سے باہر سفارت خانوں کو بھی تھی۔

1948 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ہمارے وفد سے قومی ترانہ طلب کیا اور اس نے جن گن من پیش کر دیا۔ یہی ہماری فوج میں رائج ہو گیا۔ ہر ملک میں اس ترانے کو نہ صرف پسند کیا گیا بلکہ مبارکبادیاں بھی آنے لگیں، پھر گورنروں اور بڑے صوبوں کے وزیروں سے رائے پوچھی گئی سوائے سی پی (سینٹرل پراونس) کے اسے ہر صوبہ نے پسند کیا اور عارضی طور پر ہندوستان کی کابینہ نے 'جن گن من' کو ہند کا قومی ترانہ تسلیم کر لیا۔ پھر بنگال کے بڑے وزیر نے لکھا ان کی حکومت 'وندے ماترم' کو پسند کرتی ہے۔

بہرحال قومی ترانے کے لیے اسی 'لَے' کی ضرورت ہے جس سے ہندستانی موسیقی کا جوہر نمایاں ہو اور ہندوستان سے باہر بھی اسے پسند کیا جا سکے، لہٰذا بعض ماہروں کی رائے ہے کہ 'وندے ماترم' کی 'لے' ایسی ہے کہ باہر کے ملکوں کے آرکسٹرا میں اس کی نزاکتیں پورے طور پر ادا نہیں ہو سکتیں۔ بہرحال 'وندے ماترم' اگرچہ ہندوستان کا قومی ترانہ رہے گا لیکن نیشنل ترانے کی 'لَے' وہی رہے گی جو گن من کی ہے۔

■

ماخذ: ہمارا قومی گیت، **مصنف:** سید محمد ابراہیم فکری
دوسری اشاعت: 2020
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تحریک آزادی کے رہنما

عادل حیات

پیارے بچو! آزادی کی قدر و قیمت وہی جانتا ہے، جس نے غلامی کا درد محسوس کیا ہو۔ آزاد فضا میں سانس لینا، اپنی زبان بولنا، اپنے خیالات کا اظہار کرنا اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کبھی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، مشکل گھڑی میں صبر کرنا پڑتا ہے اور اپنی جان تک نچھاور کرنی پڑتی ہے۔ ہماری آزادی کی تاریخ ان عظیم شخصیات کی جد و جہد، صبر و قناعت اور قربانیوں سے بھری ہوئی ہے، جنھوں نے آزادی کی بنیاد رکھی اور ہندوستان کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کرایا۔

ہندوستان تقریباً 200 سال تک انگریزوں کے قبضے میں رہا۔ ابتدا میں وہ تجارت کے بہانے آئے اور آہستہ آہستہ پورے ملک پر قبضہ کرلیا۔ انھوں نے اپنے قوانین نافذ کیے، ہندوستان کے وسائل اپنے فائدے کے لیے استعمال کیے اور عوام پر مختلف پابندیاں عائد کیں۔ انھوں نے کسانوں پر بھاری ٹیکس لگائے، مزدوروں سے سخت مشقت کرائی اور عام لوگوں کے حقوق محدود کر کے انھیں اپنا غلام بنالیا۔ ان حالات میں ہندوستان کے بہادر بیٹے اور بیٹیاں میدان میں آئے۔ انھوں نے غلامی کی زنجیریں توڑنے کا عزم کیا۔ یہی عظیم لوگ آج ہماری آزادی کے رہنما ہیں۔

پیارے بچو! ہندوستان کی آزادی کے رہنما عظیم شخصیات تھیں۔ ان کے پاس نہ کوئی جادو تھا اور نہ غیر معمولی طاقت، مگر ان کے دلوں میں وطن کی محبت، آزادی کی تڑپ اور بہتر ہندوستان کی تعمیر کا عزم تھا۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں 1857 کی جنگ ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ اسے ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی بھی کہا جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر 1857 کی جنگِ آزادی کے اہم معماروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ مغل سلطنت کے آخری بادشاہ تھے۔ اگرچہ اس وقت ان کی عمر زیادہ ہوچکی تھی اور سیاسی طاقت بھی پہلے جیسی نہیں تھی، پھر بھی جب آزادی کی پہلی بڑی جنگ شروع ہوئی تو ہندوستانی سپاہیوں اور عوام نے انھیں اپنی جد و جہد کی علامت کے طور پر قبول کیا۔ ان کی موجودگی نے مختلف علاقوں کے لوگوں کو ایک مرکز پر متحد کیا۔ بہادر شاہ ظفر

صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ ایک حساس شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری میں وطن کی محبت اور اس سے جدائی کے علاوہ رنج و غم کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کا ایک مشہور شعر ہے:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

ہندوستان کی آزادی کی ابتدائی جدوجہد کے رہنماؤں میں منگل پانڈے کا نام شامل ہے۔ وہ ایک سپاہی تھے، جنھوں نے انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ ان کی جرأت نے ہزاروں لوگوں کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ انھوں نے ثابت کیا کہ کبھی کبھی ایک فرد کا حوصلہ پوری قوم کو بیدار کر دیتا ہے۔

رانی لکشمی بائی آزادی کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ جھانسی کی رانی نہ صرف ایک حکمران تھیں بلکہ بہادری اور خودداری کی علامت بھی تھیں۔ جب انگریزوں نے جھانسی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار چلانے والی یہ بہادر ملکہ آج بھی بچوں اور بڑوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ ان کا مشہور عزم ''میں اپنی جھانسی نہیں دوں گی۔'' آج بھی غیرت اور حوصلے کی مثال سمجھا جاتا ہے۔

بیگم حضرت محل نے بھی 1857 کی جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے لکھنؤ میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔ ان کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ ہندوستانی خواتین نے بھی آزادی کی جدوجہد میں مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔

مہاتما گاندھی آزادی کی تحریک کا سب سے روشن نام ہے۔ انھیں محبت سے باپو کہا جاتا ہے۔ گاندھی جی نے دنیا کو یہ سکھایا کہ طاقت صرف ہتھیاروں میں نہیں بلکہ سچائی اور عدمِ تشدد میں بھی ہوتی ہے۔ ان کا فلسفہ اہنسا یعنی عدمِ تشدد پر مبنی تھا۔ انھوں نے نمک ستیہ گرہ، عدمِ تعاون تحریک اور بھارت چھوڑو تحریک کے ذریعے لاکھوں ہندوستانیوں کو متحد کیا۔ گاندھی جی نے یہ ثابت کیا کہ اگر لوگ ایک مقصد کے لیے متحد ہو جائیں تو بڑی سے بڑی طاقت بھی جھک سکتی ہے۔

جواہر لعل نہرو بھی آزادی کے عظیم رہنماؤں میں شامل ہیں۔ وہ ایک تعلیم یافتہ، ذہین اور دور اندیش رہنما تھے۔ وہ ترقی یافتہ آزاد ہندوستان کا خواب دیکھتے تھے۔ بچوں سے ان کی محبت اتنی مشہور تھی کہ بچے انھیں چاچا نہرو کہتے تھے۔ ان کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ تعلیم اور وژن کسی قوم کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل کو مردِ آہن کہا جاتا ہے۔ ان کی شخصیت مضبوط عزم اور قیادت کی مثال تھی۔ آزادی کے بعد ہندوستان کی مختلف ریاستوں کو متحد کرنے میں ان کا کردار نہایت اہم تھا۔ انھوں نے ایک بکھرے ہوئے نقشے کو ایک مضبوط ملک میں بدلنے میں مدد دی۔

نیتا جی سبھاش چندر بوس آزادی کے نہایت پر جوش رہنما تھے۔ ان کا مشہور نعرہ تھا:

''تم مجھے خون دو، میں تمھیں آزادی دوں گا۔''

یہ الفاظ ان کے جذبے، عزم اور حب الوطنی کو ظاہر کرتے ہیں۔ انھوں نے آزاد ہند فوج قائم کی اور انگریز حکومت کے خلاف ایک منظّم جدوجہد شروع کی۔ ان کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ بڑا مقصد ہمیشہ مضبوط ارادے کا تقاضا کرتا ہے۔

بھگت سنگھ نوجوانوں کے لیے بہادری اور قربانی کی علامت ہیں۔ بہت کم عمر میں ان کے دل میں وطن کی محبت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کی شہادت نے پورے ملک کے نوجوانوں میں نیا جوش پیدا کیا۔ ان کی زندگی بتاتی ہے کہ چھوٹی عمر ہونے کے باوجود خواب اور حوصلے کی اڑان بڑی ہوسکتی ہے۔

چندر شیکھر آزاد بھی ایک عظیم انقلابی تھے۔ انھوں نے عہد کیا تھا کہ وہ کبھی زندہ گرفتار نہیں ہوں گے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی آزادی کی جدوجہد کے لیے وقف کردی۔ ان کا نام 'آزاد' تھا اور وہ واقعی آزادی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔

رام پرساد بسمل اور اشفاق اللہ خان کی دوستی ہندوستانی تاریخ کی خوبصورت مثالوں میں سے ایک ہے۔ انھوں نے آزادی کی خاطر جان قربان کردی۔ ان کی زندگی یہ سبق دیتی ہے کہ وطن کی محبت مذہب، زبان اور ذات سے بالاتر ہوتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ایک ادیب اور مقرر تھے۔

انھوں نے آزادی کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا اور ہمیشہ تعلیم کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کا ماننا تھا کہ تعلیم یافتہ قوم ہی ترقی کر سکتی ہے۔ اسی لیے آج بھی انھیں ہندوستان کے عظیم معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

سروجنی نائیڈو کو بلبلِ ہند بھی کہا جاتا ہے۔ وہ شاعرہ بھی تھیں اور مجاہدِ آزادی بھی۔ ان کی تقاریر اور شاعری نے لوگوں میں امید اور جوش پیدا کیا۔ انھوں نے ثابت کیا کہ قلم اور زبان بھی آزادی کی جنگ میں طاقتور ہتھیار بن سکتے ہیں۔

لالہ لاجپت رائے پنجاب کے عظیم رہنما تھے۔ انھیں پنجاب کیسری کہا جاتا تھا۔ انھوں نے انگریز حکومت کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔ ایک احتجاج کے دوران پولیس کے تشدد سے وہ شدید زخمی ہوئے، مگر ان کا حوصلہ نہیں ٹوٹا۔ ان کی قربانی نے نوجوانوں میں آزادی کا نیا جذبہ پیدا کیا۔ بال گنگا دھر تلک کا مشہور نعرہ تھا:

''سوراج میرا جنم سدھ ادھیکار ہے اور میں اسے لے کر رہوں گا۔''

اُدھم سنگھ بھی ایک عظیم مجاہد آزدی تھے۔ جلیانوالہ باغ کے قتلِ عام نے ان کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے اس ظلم کو کبھی نہیں بھلایا۔ ان کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ ظلم کو یاد رکھنا نفرت کے لیے نہیں بلکہ انصاف کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

خان عبدالغفار خان کو باچا خان یا سرحدی گاندھی بھی کہا جاتا ہے۔ وہ عدم تشدد کے عظیم علمبردار تھے۔ انھوں نے امن، بھائی چارے اور خدمت کا درس دیا۔ ان کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ بہادری صرف لڑنے میں نہیں بلکہ امن قائم رکھنے میں بھی ہوتی ہے۔

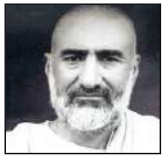

کاما دیوی چٹوپادھیائے نے بھی آزادی کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے خواتین کو سماجی اور قومی زندگی میں فعال حصہ لینے کی ترغیب دی۔ ان کی جدوجہد نے ثابت کیا کہ خواتین قوموں کی تعمیر میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

پیارے بچو! ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان کی آزادی میں رہنماؤں، آزادی کے متوالوں اور بہادر سپاہیوں کی کوششوں کے علاوہ لاکھوں گمنام افراد کی جدوجہد اور ان کا خون پسینہ بھی شامل ہے۔ اس آزادی کی جنگ میں کسان، مزدور، طلبہ، اساتذہ، خواتین، تاجر اور عام شہریوں نے بھی قربانیاں دیں۔ وہ جیل گئے، اپنا روزگار کھویا اور اپنی جان قربان کردی۔

آخر کار 15 اگست 1947 کو ہندوستان آزاد ہوا۔ یہ دن صرف جشن کا دن نہیں بلکہ ان تمام مجاہدین کی قربانیوں کو بھی یاد کرنے کا دن ہے، جن کی بدولت ہمیں آزادی کی صبح نصیب ہوئی۔

پیارے بچو! ہیرو بننے کے لیے ضروری نہیں کہ انسان جنگ لڑے۔ ایک اچھا استاد، ایک ایماندار ڈاکٹر، ایک محنتی سائنس داں، ایک ذمہ دار انجینئر یا ایک سچا طالب علم بھی اپنے ملک کا ہیرو ہوسکتا ہے۔ اصل ہیرو وہ ہے جو اپنے کردار سے دوسروں کی زندگی بہتر بنائے۔ آج ہندوستان سائنس، تعلیم، ٹیکنالوجی، کھیل اور فن کے میدان میں ترقی کی نئی منزلیں طے کررہا ہے۔ یہ سب اسی آزادی کا پھل ہے جس کی آبیاری ہمارے معماروں نے اپنے خون پسینے اور اپنی قربانیوں کے ذریعے رکھی تھی۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری آزادی کے معمار ہندوستان کی تاریخ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کی قربانیاں ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ آزادی کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ مسلسل جدو جہد، اتحاد اور قربانیوں کی مضبوط بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ ہمیں ان کے کارناموں کو صرف یاد ہی نہیں رکھنا چاہیے بلکہ ان کے اصولوں کو اپنی زندگی میں اپنانا بھی چاہیے۔ اگر آج کے بچے سچائی، محنت، نظم و ضبط، اتحاد اور حب الوطنی کو اپنا لیں تو کل کا ہندوستان اور بھی مضبوط اور عظیم بن سکتا ہے۔ یہی ہندوستان کی آزادی کے معماروں کے لیے ہمارا سچا خراجِ عقیدت ہوگا۔

بلاشبہ آزادی ایک عظیم نعمت ہے اور اس نعمت کی حفاظت ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

■

Adil Hayat
S-11/11, 2nd Floor
Jogabai Extention, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Email: adilhayat@gmail.com
Mobile: 9313055400

یومِ آزادی: قربانی، جدوجہد، اتحاد اور عزمِ نو کی روشن صبح

فہیم اشرف

جشنِ یومِ آزادی

ہر قوم کی زندگی میں کچھ دن ایسے ہوتے ہیں جو اس کی تاریخ، شناخت اور قومی شعور کی علامت بن جاتے ہیں۔ ہندوستان کے لیے 15 اگست ایسا ہی ایک تاریخی دن ہے۔ 1947 میں اسی دن ہمارا ملک برطانوی اقتدار سے آزاد ہوکر ایک خودمختار اور جمہوری ملک بن گیا۔ ہر سال یومِ آزادی ہمیں ان عظیم شخصیات کی قربانیوں اور ان انتھک کوششوں کی یاد دلاتا ہے جن کے نتیجے میں آزادی کی یہ نعمت حاصل ہوئی۔

غلامی سے آزادی تک

اٹھارہویں صدی کے وسط تک ہندوستان کا شمار دنیا کے خوشحال ملکوں میں ہوتا تھا، کبھی اس ملک کو 'سونے کی چڑیا' کہا جاتا تھا، مگر 1757 میں جنگِ پلاسی کے بعد برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا اور رفتہ رفتہ ملک کے وسیع علاقے ان کے قبضے میں آ گئے۔ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ معاشی اور سماجی میدانوں میں بھی ایسے حالات پیدا ہوئے جن سے عوام میں بے چینی اور احساسِ محرومی بڑھنے لگی۔

انیسویں صدی کے وسط تک یہ بے چینی ایک منظّم قومی شعور میں تبدیل ہونے لگی۔ 1857 کی تحریکِ آزادی اس جدوجہد کا ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوئی۔ اگرچہ یہ تحریک اپنے فوری مقاصد حاصل نہ کر سکی، لیکن اس نے آزادی کے چراغ کو روشن رکھا اور آنے والی نسلوں کے لیے جدوجہد کی راہ ہموار کی۔

بہادر شاہ ظفر اور تحریکِ آزادی

1857 کی تحریک میں مغل سلطنت کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر ایک علامتی قائد کے طور پر سامنے

آئے۔ اس تحریک کی ناکامی کے بعد انھیں گرفتار کر کے رنگون (موجودہ میانمار) جلا وطن کر دیا گیا، جہاں انھوں نے زندگی کے آخری دن انتہائی پریشانی میں گزارے۔

بہادر شاہ ظفر کی زندگی اس حقیقت کی یاد دلاتی ہے کہ آزادی کی راہ قربانی، صبر اور استقامت کا تقاضا کرتی ہے۔

تحریکِ آزادی کے اولین رہنما

1857 کی تحریکِ آزادی میں بہت سی شخصیات نے اہم کردار ادا کیا۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادی نے انگریز اقتدار کے خلاف آواز بلند کی۔ اس کے بدلے میں انھوں نے قید و بند کی سختیاں برداشت کیں۔ مولوی احمد اللہ شاہ، نانا صاحب پیشوا، رانی لکشمی بائی اور تاتیا ٹوپے بھی ان عظیم رہنماؤں میں شامل تھے جنھوں نے آزادی کے لیے اپنی جانوں کی پروا نہ کی۔

علما، ادبا اور قومی بیداری

تحریکِ آزادی میں علما، ادبا اور صحافیوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے عوام میں آزادی کا شعور پیدا کیا اور قومی بیداری کو فروغ دیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن کا نام اس سلسلے میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی سرپرستی میں چلنے والی 'ریشمی رومال تحریک' آزادی کی جدوجہد کا ایک اہم باب ہے۔ اس تحریک میں خفیہ پیغامات ریشمی کپڑے پر تحریر کر کے مختلف مقامات تک پہنچائے جاتے تھے۔ انگریز حکومت نے اس منصوبے کا سراغ لگا لیا اور مولانا محمود حسن کو مالٹا میں قید کر دیا، مگر ان کے حوصلے پست نہ ہوئے۔

اسی طرح مولانا حسرت موہانی اردو کے ممتاز شاعر، صحافی اور مجاہدِ آزادی تھے۔ وہ ان ابتدائی رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے ہندوستان کے لیے 'مکمل آزادی' کا مطالبہ پیش کیا۔ مولانا نے اپنی تحریروں اور سیاسی سرگرمیوں کے ذریعے آزادی کی تحریک کو مضبوط بنایا اور اس راہ میں کئی مرتبہ جیل گئے۔

تحریکِ آزادی کے اہم رہنما

بعد کے دور میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، سبھاش چندر بوس، بھگت سنگھ، اشفاق اللہ خان اور دیگر متعدد رہنماؤں نے تحریکِ آزادی کو نئی قوت بخشی اور ملک کو انگریزوں سے آزاد کیا۔

ہندو مسلم اتحاد کی روشن مثال

ہندوستان کی تحریکِ آزادی کی ایک بڑی خصوصیت قومی اتحاد تھی۔ مختلف مذاہب، زبانوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے آزادی کے مشترکہ مقصد کے لیے مل کر جدوجہد کی۔

اشفاق اللہ خان اور رام پرساد بسمل کی دوستی اور قربانی اس اتحاد کی ایک روشن مثال ہے۔ دونوں نے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کی اور اپنے مقصد کے لیے جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اسی طرح بے شمار ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے شانہ بشانہ کام کر کے یہ ثابت کیا کہ قوموں کی ترقی اتحاد اور باہمی احترام میں پوشیدہ ہے۔

خواتین کا کردار

تحریکِ آزادی صرف مردوں کی جدوجہد نہیں تھی بلکہ خواتین نے بھی اس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ رانی لکشمی بائی

کی بہادری تاریخ کا روشن باب ہے۔رانی لکشمی بائی ہندوستان کی بہادری اور عزم کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ بیگم حضرت محل کی شجاعت نمایاں ہے۔ اسی طرح بی اماں (آبادی بانو بیگم) نے اپنے بیٹوں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی حوصلہ افزائی کی اور قوم میں بیداری پیدا کرنے کے لیے بھرپور خدمات انجام دیں۔

ان خواتین نے ثابت کیا کہ وطن کی خدمت اور قومی جدوجہد میں عورتوں کا کردار بھی نہایت اہم ہوتا ہے۔

آزادی کا حصول

طویل جدوجہد، مسلسل قربانیوں اور قومی بیداری کے نتیجے میں 15 اگست 1947 کو ہندوستان آزاد ہوا۔ یہ دن برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔آزادی کے بعد ملک نے جمہوری نظام کو اختیار کیا اور ترقی و تعمیر کے نئے سفر کا آغاز کیا۔

آج ہندوستان تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت، زراعت اور دیگر شعبوں میں نمایاں ترقی کر رہا ہے۔ یہ کامیابیاں ہمیں ان قربانیوں کی یاد دلاتی ہیں جو آزادی کے حصول کے لیے دی گئیں۔

یومِ آزادی کی تقریبات

ہر سال یومِ آزادی کے موقع پر ملک بھر میں قومی پرچم لہرایا جاتا ہے۔نئی دہلی کے لال قلعہ پر وزیرِ اعظم قوم سے خطاب کرتے ہیں۔اسکولوں اور کالجوں میں تقریری مقابلے، قومی نغمے، ثقافتی پروگرام اور مختلف تعلیمی سرگرمیاں منعقد کی جاتی ہیں۔

یہ تقریبات نئی نسل کو اپنی تاریخ، قومی ذمہ داریوں اور آزادی کی قدر و قیمت سے آگاہ کرتی ہیں۔

ہماری ذمہ داریاں

ہمارے لیے آزادی صرف حق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری بھی ہے۔ایک اچھے شہری کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم قانون کا احترام کریں، ایمانداری، محنت اور نظم و ضبط کو اپنائیں، تعلیم حاصل کریں، ماحول کی حفاظت کریں اور ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

طلبہ خصوصاً اس بات کو یاد رکھیں کہ آج کی محنت کل کے روشن ہندوستان کی بنیاد ہے۔اگر ہم علم، اخلاق اور خدمتِ وطن کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں تو اپنے ملک کو مزید مضبوط اور خوشحال بنا سکتے ہیں۔

یومِ آزادی ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ آزادی بڑی قربانیوں کے بعد حاصل ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کے لیے مسلسل کوشش ضروری ہے۔1757 سے 1947 تک کا سفر ہمیں صبر، اتحاد، جدوجہد اور حب الوطنی کا درس دیتا ہے۔

آیئے اس یومِ آزادی پر عہد کریں کہ ہم اپنے وطن سے محبت کریں گے، اس کی ترقی میں حصہ لیں گے اور ایک ذمہ دار شہری بن کر اپنے ملک کو مزید روشن، مضبوط اور خوشحال بنانے کی کوشش کریں گے۔

■

Dr. Fahim Ashraf
MANUU Falaknuma Campus
Fatima Nagar, Falaknuma
Hyderabad- 53 (Telangana)
Mob.: 9785265771
f.ashraf777@gmail.com

محمد سلمان

یوم آزادی

پیارے بچو! یہ ہمارے لیے نہایت خوشی وفخر کی بات ہے کہ ہم آزاد ملک میں سانس لے رہے ہیں اور جوش وجذبے کے ساتھ یوم آزادی منا رہے ہیں۔ دراصل آزادی ایک عظیم نعمت ہے۔آزادی کی عظمت واہمیت کا اندازہ وہی لوگ بہتر طور سے کرسکتے ہیں جنھوں نے وہ دور دیکھا ہوگا۔ 15 اگست 1947 ہمارے بزرگوں اور ملک کے ان گنت بہادروں کی بے پناہ قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ملک کی آنے والی نسلوں کے اوپر ان جانبازوں کا احسان ہے کہ انھوں نے اپنی جان پر کھیل کر ملک کو آزاد کرایا۔اس لیے انھیں جس قدر یاد کیا جائے کم ہے۔تمام باشندگان ہند کو چاہیے کہ وہ مجاہدین آزادی کو اپنی یادوں میں شامل رکھیں، خاص طور پر یوم آزادی کے موقعے پر ان کی قربانیوں کو ضرور یاد کریں۔ بڑی عمر کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس موقعے پر بچوں کے سامنے آزادی کی تاریخ کو بیان کریں اور وطن کے لیے قربانی پیش کرنے والوں کے کارناموں کا تذکرہ کریں تاکہ ان کے دلوں میں بھی وطن کے لیے مرمٹنے کا جذبہ پیدا ہوا۔انھیں بتایا جائے کہ بلاتفریق مذہب وملت ہندوستان کے بے شمار باشندوں نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی، جیل گئے، سینوں پر گولیاں کھائیں، پھانسی کے پھندوں کو چوما، کالے پانی کی سزائیں کاٹیں، تب جاکر یہ ملک آزاد ہوا۔

یہ ہم سب کے لیے غور وفکر کا مقام ہے کہ آج ہم آزاد قوم ہیں۔ جب کہ ایک وقت ایسا تھا کہ ہماری گردنوں میں غلامی کا طوق پڑا ہوا تھا، انگریز ہمارے اوپر ظلم ڈھاتے تھے، ہمارے ملک کی دولت لوٹ کر اپنے

ملک میں لے جاتے تھے، ہم اپنے دل کی بات حکمرانوں تک نہیں پہنچا سکتے تھے، اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتے تھے، اپنے دکھ درد کو بھی بیان نہیں کر سکتے تھے۔ یہ غلامی کا وہ احساس تھا جس نے ہمارے بزرگوں کو بے چین کر دیا تھا، اس لیے وہ ہر حال میں غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر اس دائرے سے باہر آنا چاہتے تھے، اس لیے وہ انگریزوں سے ٹکرا گئے یعنی ایسی طاقت سے نبرد آزما ہو گئے جس کی حکومت نہ صرف ہمارے وطن بھارت پر بلکہ دنیا کے بہت سے ملکوں پر تھی۔ انھوں نے اتنی بڑی طاقت سے لوہا لینے کا انجام نہ سوچا۔ انھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ہمارے اوپر کتنے ظلم ڈھائے جائیں گے، ہمیں کیسی کیسی سزائیں دی جائیں گی، ہمیں کیا کیا قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی۔ ان کے سینے میں آزادی کا جوش بھرا ہوا تھا، ایک ایسا جوش جو بڑی سے بڑی طاقت کو ہلا سکتا تھا۔ انھیں یہ تو گوارا تھا کہ ان کی جان چلی جائے لیکن انھیں یہ منظور نہ تھا کہ ان کے وطن پر غیروں کی حکومت ہو۔ چنانچہ وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے، انگریزی افواج کی گولیاں اپنے سینوں پر کھاتے رہے، تحریکیں چلاتے رہے، احتجاج کرتے رہے، دھرنے دیتے رہے، نعرے لگاتے رہے۔ کبھی انھوں نے 'انقلاب زندہ باد' کی صدا لگائی، کبھی انھوں نے 'تم مجھے خون دو میں تمھیں آزادی دوں گا' کا نعرہ بلند کیا۔ کبھی انھوں نے تحریک ریشمی رومال شروع کی، کبھی انھوں نے 'عدم تعاون' کی تحریک کا آغاز کیا اور کبھی 'عدم تشدد' کے نام سے موومنٹ شروع کیا۔ وہ آزادی کے متوالے تھے، آزادی سے سرشار تھے، انھیں اپنی جانوں کی پروا نہ تھی، اپنے گھر بار لٹنے کا بھی خوف نہ تھا۔ دراصل آزادی کے لیے لڑنا، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ان کے لیے فخر کی بات تھی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں کا مقصد شہادت اور قربانیاں دینا ہوتا ہے، انھیں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں دیر تک غلام بنائے نہیں رکھ سکتیں۔ اس لیے اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی ان آزادی کے متوالوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگئی اور 1947 میں ہمارا ملک آزاد ہوگیا۔ ایسے میں جلد ہی وہ آئین بھی مرتب ہوگیا جو ہر ہندوستانی کو برابری کے حقوق دیتا ہے، ہر ایک کو اس کی تہذیب، مذہب اور روایت کے مطابق زندگی گزارنے کا اختیار دیتا ہے۔ آج ہم اسے 'دستورِ ہند' آئین، اور سَنو دھان کہتے ہیں اور اس سے نہایت محبت کرتے ہیں۔ یہ دستور ہر ہندوستانی کے لیے فخر کا باعث ہے اور اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ وہ پوری طرح سے آزاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب باشندگانِ ہند کے سامنے 'دستورِ ہند' کا نام آتا ہے تو ان کے چہروں پر خوشی کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں، ان کا سر بلند ہو جاتا ہے اور سینے فخر سے تن جاتے ہیں۔ کیونکہ اس دستور میں تمام باشندگانِ ہند کے لیے مساویانہ حقوق رکھے گئے ہیں۔ تمام طبقات کی رعایت کی گئی ہے، سب کو ترقی کرنے اور اچھی زندگی گزارنے کا موقع دیا گیا ہے۔ حکومتیں بنانے میں ان کی رائے کو اہمیت دی گئی ہے۔ ہزاروں لاکھوں قربانیوں کے بعد جو آزادی ہمیں ملی اور جو دستور ہمیں حاصل ہوا، اس کا احترام ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اس سے محبت کرنا اور اس پر عمل کرنا ہم پر فرض ہے۔

یوم آزادی ہم سب سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے

اور اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ ہم اپنے وطن بھارت سے محبت کریں، تمام طبقات کو عزت دیں۔ اپنے ملک کو ترقی کی طرف لے جائیں، اس کی تعمیر وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، وہ چیزیں جو ملک کو مضبوط کرتی ہیں انھیں اختیار کریں، وہ باتیں جو ملک کو کمزور کرتی ہیں انھیں چھوڑیں۔ مثال کے طور پر باہمی اتحاد سے ملک مضبوط ہوتا ہے، اس لیے اسے ہر حال میں اپنے درمیان قائم رکھیں۔ یہ اتحاد ہی تھا جس نے اس ملک سے انگریزوں کے پیروں کو اکھاڑ دیا تھا۔ پہلے انگریز یہاں کے مختلف طبقوں اور برادریوں کو لڑاتے رہتے تھے، انھوں نے 'لڑاؤ اور حکومت کرو' کی پالیسی بنا رکھی تھی، لیکن جب وقت گزرا، ہمارے بزرگوں نے اتحاد کے لیے کوششیں کیں اور مل جل کر انگریزوں کے خلاف برسرپیکار ہوئے تو انگریزوں کے ہاتھ پیر پھول گئے اور انھیں اس ملک سے بوریا بستر باندھنا پڑا، اسی اتحاد کی آج بھی ہمیں ضرورت ہے۔ اختلافات، باہمی لڑائی جھگڑے ملک کو کمزور کرتے ہیں، اس لیے اس سے بچیں تاکہ ملک اپنی جگہ مضبوط رہے اور اس میں کسی طرح کی کمزوری پیدا نہ ہو۔

ہمارے بزرگوں نے ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے ذریعے آزاد کردہ ملک کو آگے کی طرف لے کر جائیں، اسے استحکام بخشیں، ترقی یافتہ بنائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہر شخص مثبت کردار ادا کرے۔ جرائم سے اپنے آپ کو دور رکھے، سچائی کی راہ پر گامزن ہو، تعلیم کی طرف دھیان دے، اپنے بچوں کو بہترین شہری بنانے کی کوشش کرے کہ وہ اخلاقی اقدار کا احترام کرتے ہوں، قانون کی بالادستی کے لیے جدوجہد کرتے ہوں۔ ٹیکنالوجی آج کے عہد کے بڑا تقاضہ ہے، اس لیے نئی نسل کو چاہیے کہ وہ اس میدان میں آگے بڑھے۔ بچوں کو ان علوم کی طرف توجہ دلائی جائے جو ہمارے ملک کو ہر لحاظ سے مضبوط کریں اور اسے ترقی کی بلندیوں تک پہنچائیں۔ آج کے بچے ملک کا مستقبل ہیں۔ ان پر جس قدر توجہ دی جائے گی، ان کی تعلیم کو جتنا مضبوط بنالیا جائے گا اور جتنی بہتر طریقے سے ان کی تربیت کردی جائے گی، وہ ملک کے لیے آگے چل کر اتنے ہی اہم ثابت ہوں گے۔ تمام والدین کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیے کہ بچے ملک وقوم کا اعلیٰ سرمایہ ہیں۔ لہٰذا ان کی نگہداشت، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے دل کے اندر وطن کی محبت قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔

بچوں کو چاہیے کہ ماہ اگست میں ہم اپنے بڑوں سے آزادی کی کہانیاں سنیں، تاکہ ان کے دل میں بھی وطن کی محبت بیٹھ جائے۔ وہ ہمیشہ ملک کے لیے سوچیں، ملک کی عزت کریں، ملک کے دستور کی قدر کریں، ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے محنت کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ان کی زندگی کا ایک بڑا مقصد ملک کی حفاظت اور ملک کی ترقی ہے۔ اس موقع پر ایسی تقریبات منائی جائیں، ایسی نغمے گائے جائیں، ایسی دھنیں بجائی جائیں جو ملک کے ہر شہری اور ہر بچے کے دل کو وطن کی محبت سے سرشار کردیں۔

■

Mohd Salman
Mohalla Tandola Tanda
Distt Rampur- 244925 (U.P)
Mob: 9310068594

فردوس بانو

آزادی

پنجرے میں اک بند تھا طوطا — جگتا زیادہ کم تھا سوتا
یاد آتے جب باغ بغیچے — چپ ہوجاتا صرف تھا روتا
عبداللہ اسکول سے آیا — روتا ہوا طوطے کو پایا
پوچھا طوطے کیوں روتے ہو — آنسو سے چہرہ دھوتے ہو
طوطا ٹیں ٹیں کرکے بولا — توڑ خموشی منھ کو کھولا
کیسے اب تک زندہ ہوں — میں آزاد پرندہ ہوں
مجھ کو تم نے قید کیا — یعنی میرا صید کیا
ڈال ڈال پر میرے یار — اچھلیں کودیں گائیں ملھار
میں غم سے مرجاؤں گا — سونا گھر کر جاؤں گا
عبداللہ نے سنی کہانی — آنکھ میں اس کے آیا پانی
کھڑکی پنجڑے کی کھولا — اور طوطے سے یہ بولا
جا اڑ جا آزاد پرندے — ہوگئے سب انسان درندے
قیدِ زنداں ناحق ہے — آزادی سب کا حق ہے
قید کسی کو نہیں پسند — ایسے میں ہوتی ہے جنگ
بھارت جب ہوگیا غلام — راجے شاہ ہوئے ناکام
ظلم کیا انگریزوں نے — اور ہوئے ہر سو بدنام
ہوگئی جنتا جب بیدار — ہونے لگی ان پہ یلغار
نازک پھول گلستاں کے — لمحوں میں ہوگئے تلوار
خاک اور خون ہوئے باہم — ہوگیا سب کا ایک ہی غم
یعنی قید سے آزادی — ہنستی گاتی آبادی
سب کو اپنا حق مل جائے — جو بھی آئے فریادی
گاندھی نہرو اور آزاد — لوگ کریں گے ان کو یاد
سامنے ان کے جھک گئے سب — جو بھی آتے تھے جلاد

■

Firdaus Bano Falahi
M-20, Gulmarg Apts
Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar
New Delhi- 110025

بچوں کی ذہنی نشو ونما میں گھر اور اسکول کا باہمی کردار

احسان عالم

بچوں کی نفسیاتی و ذہنی نشو ونما اور تعلیم و تربیت موجودہ وقت کا ایک حساس (Sensitive) اور اہم موضوع ہے، بچوں کی ذہنی، جذباتی اور سماجی نشو ونما کو درست سمت دینے کے لیے چند بنیادی باتیں درج ذیل ہیں:

■ **بچوں کی حوصلہ افزائی اور خود اعتمادی:** بچوں کے چھوٹے چھوٹے مثبت کاموں کی تعریف کرنا ان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ اگر بچہ کسی کام میں ناکام ہو جائے تو اسے تنقید کا نشانہ بنانے کے بجائے یہ سکھانا ضروری ہے کہ ناکامی بھی سیکھنے کا ایک مرحلہ ہے۔

■ **جذباتی اظہار کی آزادی:** بچوں کو اپنے جذبات جیسے غصہ، دکھ یا خوشی ظاہر کرنے کا موقع دیں۔ جب بچہ رو رہا ہو یا پریشان ہو، تو اسے دبانے کے بجائے اس کی بات ہمدردی سے سنیں۔ اس سے ان میں جذباتی ذہانت (Emotional Intelligence) پیدا ہوتی ہے۔

■ **انفرادی صلاحیتوں کا احترام:** ہر بچہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ بچوں کا آپس میں موازنہ کرنا ان میں احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔ ان کی فطری دلچسپیوں اور رجحانات کو سمجھنا اور ان کی آبیاری کرنا والدین اور اساتذہ کی بنیادی ذمے داری ہے۔

■ **تعلیمی ماحول اور نفسیات:** تعلیم صرف کتابیں پڑھنے پڑھانے کا نام نہیں بلکہ بچے کے تجسس کو زندہ رکھنا ہے۔ کھیل کود اور تخلیقی سرگرمیوں کے ذریعے دی جانے والی تعلیم بچوں کے ذہن پر بوجھ نہیں بنتی بلکہ ان کی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے۔

■ **چند عملی نکات:** بچے کے لیے روزانہ کچھ وقت مخصوص کریں جس میں صرف اس کی باتیں سنی جائیں۔
اسے فیصلے کرنے کے چھوٹے چھوٹے مواقع دیں تاکہ اس میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ بچوں کی نفسیات کو

سمجھنا دراصل ان کے روشن مستقبل کی بنیاد رکھنا ہے۔

■ **بچوں کی نشوونما میں گھر کا کردار:** بچوں کی نشوونما میں گھر کا کردار بنیادی اور کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ گھر وہ پہلی درسگاہ ہے جہاں بچہ نہ صرف زبان سیکھتا ہے بلکہ اخلاقیات، معاشرتی آداب اور زندگی گزارنے کا طریقہ بھی سیکھتا ہے۔ بچوں کی بہتر تربیت اور ہمہ جہت نشوونما کے لیے گھر کے ماحول میں درج ذیل پہلوؤں پر توجہ دینا ضروری ہے:

■ **محبت اور تحفظ کا احساس:** بچے کی جذباتی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ اسے گھر میں پیار، توجہ اور تحفظ حاصل ہو۔ جب والدین اور گھر کے دیگر افراد بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں، تو بچوں میں خود اعتمادی (Self-confidence) پیدا ہوتی ہے اور وہ ذہنی دباؤ سے محفوظ رہتے ہیں۔

■ **اخلاقی اور مذہبی تربیت:** گھر وہ جگہ ہے جہاں بچہ اچھے برے کی تمیز سیکھتا ہے۔ والدین کا اپنا کردار بچوں کے لیے عملی نمونہ ہوتا ہے۔ اگر گھر کے بڑے سچ بولتے اور بڑوں کا احترام کرتے ہیں، تو بچے بھی وہی عادات غیر محسوس طریقے سے اپنا لیتے ہیں۔

■ **علمی اور تعلیمی ماحول:** گھر کے اندر علمی اور تعلیمی ماحول کو چست و درست رکھنے کے لیے بچوں میں مندرجہ ذیل باتوں کا دھیان دینا لازمی ہے:

- بچوں میں ذوقِ مطالعہ اور علم کی تڑپ پیدا کرنے میں گھر کا کردار بہت اہم ہے۔
- گھر میں ایسا ماحول ہو جہاں پڑھائی کو بوجھ کے بجائے ایک خوشگوار سرگرمی سمجھا جائے۔

■ **ڈسپلن اور نظم وضبط:** وقت کی پابندی، صفائی ستھرائی اور روزمرہ کے معمولات جیسے سونے، جاگنے اور کھیلنے کے اوقات کی ترتیب گھر ہی سے شروع ہوتی ہے۔ جو بچے گھر میں نظم وضبط کے عادی ہوتے ہیں، وہ عملی زندگی اور تعلیمی میدان میں زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔

■ **سماجی مہارتیں:** گھر میں بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ میل جول سے بچہ دوسروں کا خیال رکھنا اور مل جل کر رہنے کا ہنر سیکھتا ہے۔ یہ مہارتیں اسے معاشرے کا ایک فعال اور مثبت شہری بنانے میں مدد دیتی ہیں۔

■ **والدین کا آپسی تعلق:** گھر کے ماحول پر والدین کے باہمی تعلقات کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر والدین کے درمیان خوشگوار تعلقات ہوں، تو بچہ ذہنی طور پر پرسکون رہتا ہے۔ اس کے برعکس، گھر کی ناچاقی اور لڑائی جھگڑے بچے کی شخصیت کو مجروح کر دیتے ہیں۔

■ **بچوں کی ذہنی نشوونما میں اسکول:** بچوں کی ذہنی نشوونما میں اسکول ایک ایسی تربیت گاہ ہے جہاں ان کی شخصیت کے مخفی گوشے اجاگر ہوتے ہیں۔ ایک اچھا تعلیمی ادارہ صرف نصابی کتابیں پڑھانے کا نام نہیں، بلکہ بچے کی فکری، جذباتی اور سماجی بنیادیں استوار کرنے کا مرکز ہے۔

وہ نکات جو بچوں کی ذہنی بالیدگی میں اسکول کے کلیدی کردار کو واضح کرتے ہیں:

■ **فکری اور علمی ارتقا:** اسکول بچے کو سوچنے، سمجھنے اور سوال کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ جب ایک بچہ مختلف مضامین کا مطالعہ کرتا ہے، تو اس کے مشاہدے میں وسعت آتی ہے۔ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت اور چیزوں کو منطقی نظر سے دیکھنا اسکول کی سرگرمیوں سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

■ تخلیقی صلاحیت: ڈرائنگ، تحریر اور تقریری مقابلوں کے ذریعے بچوں کے تخیل کو پر لگتے ہیں۔

گھر کے محدود ماحول سے نکل کر جب بچہ اسکول کے وسیع تر معاشرے میں قدم رکھتا ہے، تو اسے 'اجتماعیت' کا احساس ہوتا ہے۔ مختلف گھرانے اور ماحول سے تعلق رکھنے والے بچوں کے ساتھ رہ کر وہ رواداری، ہمدردی اور ٹیم ورک سیکھتا ہے۔

■ نظم و ضبط: وقت کی پابندی اور اصولوں کی پیروی بچے کی ذہنی ساخت کو منظّم بناتی ہے، جو مستقبل میں اسے ایک ذمہ دار شہری بنانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

■ خود اعتمادی کی بحالی: اسکول کا ماحول بچے کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا بھرپور موقع فراہم کرتا ہے۔ جب ایک طالب علم اسٹیج پر آ کر اپنی بات کہتا ہے یا کھیل کے میدان میں اپنی ٹیم کی قیادت کرتا ہے، تو اس کے اندر چھپا ہوا خوف ختم ہو جاتا ہے اور خود اعتمادی (Self-confidence) پیدا ہوتی ہے۔ اساتذہ کی حوصلہ افزائی بچے کے ذہن پر مثبت اثر ڈالتی ہے، جس سے وہ مشکل چیلنجز قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

بچے کی ذہنی نشوونما میں معلم کا کردار ایک رہبر کا ہوتا ہے۔ کتابی علم کے ساتھ ساتھ استاد کی گفتگو، اس کا برتاؤ اور اس کی شخصیت بچے کے لاشعور کا حصہ بنتی ہے۔ ایک ہمدرد استاد بچے کی ذہنی الجھنوں کو سلجھا کر اسے ذہنی طور پر توانا اور مضبوط بنا سکتا ہے۔

■ اسکول اور والدین کا اشتراک: تعلیمی ادارے کی کوششیں اسی وقت بارآور ثابت ہوتی ہیں جب والدین اور اسکول کے درمیان بہتر تال میل ہو۔ باقاعدہ ملاقاتیں Parent-Teacher Meeting بچے کی کمزوریوں اور خوبیوں کو سمجھنے میں معاون ہوتی ہیں، جس سے اس کی ذہنی صحت اور نشوونما کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں والدین اور اساتذہ دونوں مل کر بچوں کی نشو ونما کا کام انجام دیں تو بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

■

Dr. Ahsan Alam
Ahmad Complex, Al-Hira Public School
Mohalla : Raham Khan, P.O. Lalbagh
Darbhanga - 846004 (Bihar)
Mob: 9431414808
ahsanalam16@yahoo.com

رضوانہ سید

بچوں کی تربیت میں دادا دادی اور نانا نانی کے کردار

دادا دادی، نانا نانی کی کہانیاں برسوں سے مشہور ہیں، انھیں سن کر بچے گہری نیند سو جایا کرتے تھے۔ ان کہانیوں کو سنتے وقت بچے ان سے نہ جانے کتنے سوال بھی کیا کرتے تھے، مگر گھر کی یہ بزرگ عورتیں ہمیشہ بڑے پیار سے جواب دیا کرتی تھیں۔

آج کی بھاگ دوڑ کی زندگی میں زیادہ تر بچے اپنے والدین کے ساتھ دادا دادی یا نانا نانی سے دور رہنے پر مجبور ہیں۔ پورے سال میں بچے چند دنوں کے لیے ہی ان سے مل پاتے ہیں۔ ہمارا طرزِ زندگی اور زمانہ چاہے کتنا بھی بدل جائے مگر ہماری طرح ہمارے بچوں کو بھی دادا دادی، نانا نانی کی ضرورت ہے۔ دادا دادی، نانا نانی لفظ کے ساتھ ایک اپنے پن کا احساس ہمیشہ سے جڑا رہا ہے۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ والدین بچوں کو پیار نہیں کرتے مگر دادا دادی کا لاڈ پیار کچھ خاص طرح کا ہوتا ہے۔ والدین کے تجربے سے اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو بہت کچھ سکھاتے ہیں جو شاید ہی کوئی انھیں سکھا سکے۔ ہم میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جو بچپن میں غلطی کرنے پر والدین کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے اپنے دادا دادی، نانا نانی کی گود میں نہ چھپا ہو۔ کئی مرتبہ ملازمت پیشہ والدین ہونے سے بچوں کے نرم دل میں اس طرح کی باتیں بیٹھ جاتی ہیں کہ والدین اتنے مصروف رہتے ہیں کہ میرے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ مگر گھر میں ان بزرگوں کے رہنے سے بچوں کو اکیلا پن محسوس نہیں ہوتا اور ان کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہتی ہے، کہ وہ ان کے پاس محفوظ ہیں۔ بچوں کے ساتھ ساتھ والدین بھی مطمئن رہتے ہیں کہ بچے گھر میں کسی اپنے کے پاس باتیں کر رہے ہیں اور کھیل کود رہے ہیں۔ کئی لوگوں کا ماننا ہے کہ بزرگ مضبوط درخت کی طرح ہوتے ہیں جن کے زیرِ سایہ رہنا ایک پرسکون احساس دلاتا ہے۔

روایتی خاندانوں میں دادا دادی، نانا نانی آج بھی ہمارے گھروں میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ یہ مشاہدے میں آیا ہے کہ دادا دادی، نانا نانی اپنے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے ساتھ خصوصی محبت اور تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق مشترکہ خاندان کا مطلب ہوتا ہے کہ 24 گھنٹے ہر کسی کے ساتھ گزارا جائے۔ اس صورت میں بچوں کے دل میں اکیلے پن اور غیر محفوظ ہونے کا احساس پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ٹینشن یا پریشانی کے وقت بھی کسی نہ کسی کا ساتھ مل جاتا ہے، جس سے وہ ڈپریشن میں جانے سے محفوظ رہتے ہیں، جن بچوں کو اپنے بزرگوں سے زیادہ انسیت ہوتی ہے وہ بچے نسبتاً محبت آمیز، ہمدرد اور پر اعتماد ہوتے ہیں۔

خاندان، والدین اور بچوں کے بچپن سے جڑی کئی دلچسپ اور معلومات بھری باتیں بچوں کو بزرگوں سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک ساتھ رہنے سے پرانی اور نئی نسل کے درمیان رشتے مضبوط ہوتے ہیں، یہ رشتے دونوں نسلوں کے لیے لطف اندوز، فائدہ مند اور خوشگوار ثابت ہوتے ہیں۔ بچے لاڈ پیار کے ساتھ جو کچھ بزرگوں سے سیکھتے اور سمجھتے ہیں، اس کے ذریعے وہ اپنے آنے والی زندگی کو بہتر اور خوشگوار انداز میں گزار سکتے ہیں۔

بچوں کی تربیت کے طریقے میں نسل در نسل کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، جو طریقے کچھ وقت پہلے تک درست تھے، اب وہ غلط ہو سکتے ہیں یا غلط طریقے صحیح تصور کیے جا سکتے ہیں۔ ایسے میں بزرگوں یعنی گرانٹس پیرنٹس اور والدین کے درمیان اس تعلق سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ جب اس طرح کی صورت حال پیدا ہو جائے تو گرانٹ پیرنٹس اور والدین کو آپس میں بات چیت کرنی چاہیے۔ کئی بار بزرگوں کے زیادہ لاڈ پیار کا بچے غلط فائدہ بھی اٹھانے لگتے ہیں۔ جب اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو والدین اور دادا دادی کے درمیان تال میل بہت ضروری ہے، لیکن ہمیں اس بات کو بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بچے اور گرانٹ پیرنٹس ایک دوسرے کے لیے بہت خاص ہوتے ہیں۔ ان رشتوں کو سمجھنے اور انھیں برقرار رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ ■

Rizwana Syed
Ismail Manzil, Plot No: 131/1
House No: 5-2-30, Tirumala Nagar
Near Sri Veeranvaneya
Swamy Temple
Hyderabad- 500040 (Telangana)

سیدہ فرحت

برسات

کالی کالی گھٹائیں چھائیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں
برکھا رت کی دیکھو بہاریں
کیسی سہانی مینہ کی پھواریں
چم چم چم چم بجلی چمکے
چھم، چھم، چھم، چھم، پانی برسے
گرج رہا ہے کیسا بادل
چاروں اور کرے گا جل تھل
بولے پپیہا پی ہو، پی ہو
کویل گائے کوکو، کوکو
دھرتی پر پھیلی ہریالی
جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی
آموں کے پیڑوں پر طوطے
بیٹھے، ٹیں ٹیں، ٹیں ٹیں کرتے
برکھا رت کیسی ہے سہانی
چاروں طرف پانی ہی پانی

■

ماخذ: بچوں کی مسکان، **مصنفہ:** سیدہ فرحت، **دوسری اشاعت:** 2023، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

موسم

ناصر الدین قمر الدین ناصر

گھاس سُوکھی پڑ گئی ہے چلچلاتی دھوپ میں
بے کلی بڑھتی گئی ہے چلچلاتی دھوپ میں
اب تو بارش کی یہ بوندیں ہر جگہ پڑنے لگیں
اب دھنک کی روشنی ہے چلچلاتی دھوپ میں
تشنگی بڑھنے لگی ہے چلچلاتی دھوپ میں
پھر وہی منظر کشی ہے چلچلاتی دھوپ میں
بچے، بوڑھے، سارے خوش ہیں آمدِ برسات سے
جلد سُوکھی ساری یہ ہے چلچلاتی دھوپ میں
ہر قدم پہ ساز ہے، آواز ہے رفتار ہے
پانی برسا بہے چلی ہے، چلچلاتی دھوپ میں
اب کسانوں نے چلایا ہل زمیں پر دوستو
اور ہوا ٹھنڈی چلی ہے چلچلاتی دھوپ میں
پانی برسا اتنا کہ جَل تھَل وہ سارا ہو گیا
بانگ دی مرغے نے ایسی چلچلاتی دھوپ میں
ہُو کا عالَم چھا رہا ہے چلچلاتی دھوپ میں
پگڑی، لُنگی تر ہوئی ہے چلچلاتی دھوپ میں
کالے بادل چھا رہے ہیں چلچلاتی دھوپ میں
بچے بوڑھے ہیں سبھی خوش چلچلاتی دھوپ میں
لگتا ہے سورج کا دیکھو اتنا پارہ چڑھ گیا
آگ ہر سُو لگ چکی ہے چلچلاتی دھوپ میں
پانی پینے سے بڑھی ہے تشنگی افراد کی
مئے کشوں کی بے بسی ہے چلچلاتی دھوپ میں
وہ ہوا کے سرد جھونکے مجھ کو بھی اچھے لگے
دیکھو آئی ابرِ باراں چلچلاتی دھوپ میں
کہکشاں کی چاندنی ناصر کو بھی اچھی لگی
چاندنی بھی چھپ گئی ہے چلچلاتی دھوپ میں

■

Dr. Nasiruddin Qamruddin Nasir
Fatima Nagar, House No: 28
Malkapur, Buldana - 443101(Maharashtra)
Mob.: 9860170513
drnasir161166@gmail.com

موسم چاچا

علی شاہد دلکش

موسم چاچا گرمی لائے
بچوں کی بھی چھٹی لائے

ٹھنڈی ٹھنڈی قلفی لائے
آم بھی میٹھے قلمی لائے

میٹھا میٹھا تربوز آیا
ساتھ میں کالا جامن لایا

ککڑی، کھیرا، کدو، آم
سستے ہوں گے سب کے دام

دن ہے لمبا، رات ہے چھوٹی
پگھلی برف سی اونچی چوٹی

شام کو اب ہم کھیلیں گے جی
خوب مزے اب لوٹیں گے جی

دوڑیں گے اور بھاگیں گے ہم
دیر تلک اب جاگیں گے ہم

بچو! من سے لکھنا پڑھنا
پیاری سی اک نظم سنانا

شاہد دلکش، آم کھلانا
لنگڑا، چوسا، فضلی لانا

■

Ali Shahid Dilkash
387/1/203, West Purwasa
Near Purbasha,Masjid-e- Bilal
Po. Kankinara, Distt. North 24 PGS
West Bengal- 743126
Mob.: 8820239345
shahidali17799@gmail.com

یحییٰ کا تھیلا

تابش ردولوی

ضد کر بیٹھا یحییٰ اک دن
اور ممی سے بولا
منگوا دو لیدر کا مجھ کو
اک چھوٹا سا تھیلا

چاروں اور گھرے ہیں بادل
بارش نے منھ کھولا
کیسے بھی ہو اک چھوٹا سا
لا دو مجھ کو جھولا

ہاتھ مرے ہیں چھوٹے چھوٹے
اور کتابیں بھاری
کوئی جتن لگاؤ ممی
دور کرو دشواری

بیٹے کی سن بات، کہا
ممی نے ارے دلارے!

لاؤں میں کس ناپ کا تھیلا
مجھ کو ذرا بتا دے

کوئی بک ہے فٹ بھر لمبی
اور کوئی ہے موٹی
بڑی ایک دن لے آتے ہو
اور کسی دن چھوٹی

اب تو ہی یہ بتا کہ تھیلا
میں کس روز منگاؤں
جو ہر روز تجھے من بھائے
ایسا تھیلا لاؤں

■

M.H. Tabish Rudaulvi
17/98-A, Moh.: Pura Basawan
Post: Rudauli
Distt.: Ayodhya- 224120
Mob.: 9580228003
tabishrdl1977@gmail.com

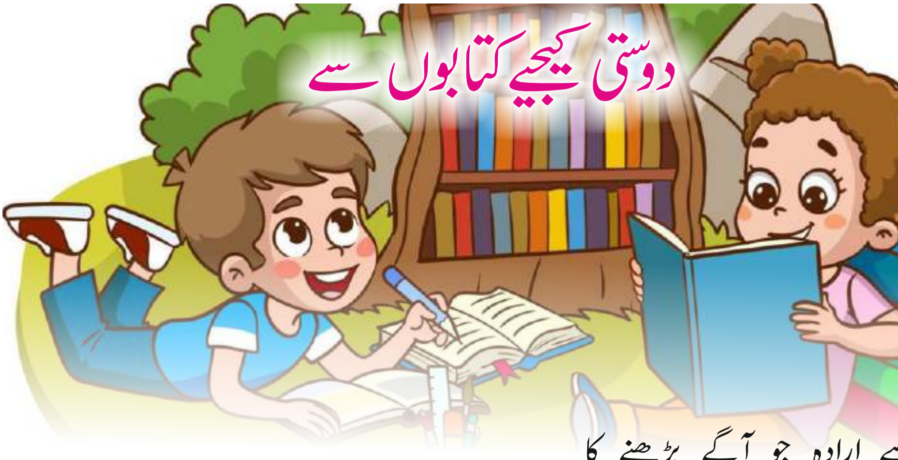

دوستی کیجیے کتابوں سے

یاسین انصاری

ہے ارادہ جو آگے بڑھنے کا
شوق رکھو کتابیں پڑھنے کا
دل کتابیں ہی جگمگاتی ہیں
اور اجالے میں ہم کو لاتی ہیں
ان کتابوں سے دل لگانا ہے
ان میں ہی علم کا خزانہ ہے
ہے کتابوں میں ایسی اک خوشبو
پھیلتی ہے جو دور تک ہر سو
روشنی لیجیے کتابوں سے
دوستی کیجیے کتابوں سے

گفتگو کرنا یہ سکھاتی ہیں
شخصیت کو بھی یہ سجاتی ہیں
یہ ہمیں راستہ دکھاتی ہیں
لے کے منزل پہ ہم کو جاتی ہیں
روبرو ہوں گے کامرانی سے
ہم کتابوں کی مہربانی سے
ان کی آپ انفرادیت سمجھو
ان کتابوں کی اہمیت سمجھو

■

Yaseen Ansari
Karanpura, Bah Adda
Near: Shorawali Girls Inter College
Etawah- 206001 (UP)
Mob.: 9690433139
my130199@gmail.com

میرا قلم

رخشاں ہاشمی

خوبصورت ہے پیارا قلم
بچو! یہ ہے تمہارا علم
یہ قلم ایسی جاگیر ہے
دیکھو بچو یہ شمشیر ہے
ہاتھ کی دلکشی ہے قلم
سچ کہوں زندگی ہے قلم
یہ اندھیرے کی امید ہے
ہاں سنو! روشنی ہے قلم
سب کی تقدیر لکھتا ہے یہ
دیکھو بے مول بکتا ہے یہ
دیکھو بچو! یہ انمول ہے
اس کی قیمت نہیں مول ہے
دوستی تم قلم سے کرو
میرے بچو اسی پر مرو
ہر گھڑی ساتھ رکھو قلم
ساتھ اس کے چلو ہر قدم
ہے قلم ہی تمہارا ہنر
ہاں قلم ہی بنے ہم سفر
جیتنے کا ہے پاسہ قلم
ہم سبھی کا اثاثہ قلم
سب کی دنیا بناتا ہے یہ
راہ روشن دکھاتا ہے یہ

کوئی دے نہ سکا اس کو مات
بچو اس کی الگ ہی ہے بات
سچا ساتھی ہے پیارا قلم
دور کردے گا یہ سارے غم
رشتہ کاغذ قلم کا
بچو اس پر کرو بس یقیں
تیز اس کی بہت دھار ہے
جان لو یہ ہی تلوار ہے
اس قلم نے ہی افسر دیا
یعنی ہم سب کو گوہر دیا
جتنے ہیرے جواہر ہوئے
جس سے روشن مقدر ہوئے
زندگی کا ہر ایک امتحاں
کامیابی کا یہ آسماں
سب سے دلکش نرالا قلم
سب سے سندر ہے اعلیٰ قلم
اس کے سائے میں بیٹھا کرو
اس کی صحبت میں آگے بڑھو

■

Rakhshan Hashmi
Rizvi Colony
Shah Zubair Road
Munger - 811201 (Bihar)
Mob.: 9304342572
r.crazy.rr@gmail.com

ادھورا چاند

پرویز مانوس

سر سبز پہاڑیوں کے دامن میں بسا ہوا ایک چھوٹا سا خوبصورت گاؤں تھا 'امن پور' اس گاؤں کی صبحیں بہت نرم ہوتی تھیں اور شامیں اتنی سنہری کہ لگتا تھا سورج بھی تھک کر یہیں آرام کرنے آتا ہے۔ کچے گھروں کی ایک طرف بہتی ندی، آم اور اخروٹ کے درخت، اور لوگوں کے چہروں پر سادگی — سب کچھ مل کر اس گاؤں کو واقعی خوبصورت بناتے تھے۔

اسی گاؤں کے ایک چھوٹے سے لکڑی کے بنے گھر میں جواد رہتا تھا۔ جواد کی عمر کوئی چھ برس تھی، اُس کا باپ ایک چرواہا تھا جو صبح گاؤں والوں کے مویشی چرانے جنگل کی طرف لے جاتا اور شام ڈھلتے ہی واپس لے آتا، اسی سے اس کے گھر کا گزارہ ہوتا تھا، جواد روز صبح سویرے اپنی کھڑکی کے پاس آ بیٹھتا۔ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے وہ قدرت کے نظاروں کو دیکھتا پھر اس کی نظر سامنے سے گزرنے والی سڑک پر جم جاتی جہاں سے کچھ ہی دیر میں بچے آتے، کندھوں پر بستے لٹکائے، ہنستے کھلکھلاتے، ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہوئے اسکول کی طرف جاتے۔ ان بچوں کو دیکھ کر جواد کے دل میں عجیب سی ہلچل مچ جاتی۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑے، بستہ لٹکائے، کسی دوست کا ہاتھ پکڑ کر۔ کھیلے، کھلکھلائے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔

کیونکہ پولیو کی وجہ سے جواد کی ٹانگیں کمزور تھیں۔ وہ چل نہیں سکتا تھا۔ اس کی دنیا اسی کھڑکی تک محدود تھی۔

ایک دن اس نے بڑی معصومیت سے ماں سے پوچھا،

''امّاں! یہ بچے روز کہاں جاتے ہیں؟''

ماں، جس کا نام شبنم تھا، سلائی کرتے ہوئے رُک گئی۔ اس کے پاس آ کر بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور نرمی سے کہا،

''بیٹا، یہ اسکول جاتے ہیں۔''

''اسکول؟'' جواد نے حیرت سے پوچھا۔

''اسکول کیا ہوتا ہے؟''

ماں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''میرے لعل اسکول وہ جگہ ہوتی ہے جہاں استاد بچوں کو پڑھاتے ہیں، انھیں اچھا انسان بناتے ہیں۔''

یہ سن کر جواد کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''تو امّاں! میں بھی اسکول جاؤں گا، پڑھوں گا، کتابیں پڑھوں گا،لکھنا سیکھوں گا!''

شبنم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔اس نے جواد کو سینے سے لگا لیا۔کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا،

''میرے بچے،تو جیسا بھی ہے میرا چاند ہے... مگر ادھورا چاند۔میں نہیں چاہتی کہ یہ دنیا تجھے طعنے دے، تیرا مذاق اڑائے، تجھے دکھ دے۔''

ماں کی باتیں سن کر جواد خاموش ہو گیا۔اس کی آنکھوں کی چمک دھیرے دھیرے مدھم پڑ گئی۔ وہ پھر کھڑکی کے پاس جا بیٹھا اور باہر دیکھنے لگا،مگر اس دن بچوں کو دیکھ کر بھی اس کا دل خوش نہ ہوا۔

انہی دنوں گاؤں سے ایک نوجوان استاد روز صبح گزرتے تھے۔ان کا نام کامران تھا۔ وہ قریبی اسکول میں پڑھاتے تھے۔ روز گزرتے ہوئے وہ ایک بات ضرور نوٹ کرتے،کہ ایک بچہ، جو ہمیشہ کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا خاموشی سے بچوں کو جاتے دیکھتا رہتا۔آخر وجہ کیا ہے؟ اُس کے دل میں تجسس پیدا ہو گیا۔

ایک دن کامران نے سوچا،

''آخر یہ بچہ دن بھر گھر میں بیٹھا رہتا ہے اسکول کیوں نہیں آتا؟''

ایک دن کامران اس بچے کے گھر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا،اس کی ماں شبنم نے دروازہ کھولا۔کامران نے مسکرا کے سلام کیا اور آہستہ سے کہا:

''بی بی، میں استاد ہوں۔میں نے آپ کے بچے کو کئی دنوں سے کھڑکی پر بیٹھے دیکھا ہے۔کیا وہ اسکول نہیں جاتا؟''

کامران کی باتیں سن کر شبنم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''نہیں صاحب... میرا بیٹا معذور ہے۔چل نہیں سکتا۔''

یہ سُن کر کامران حیرت میں پڑ گیا، وہ پریشان ہو کر کمرے کے اندر داخل ہو گیا اور جواد کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب ذہانت جھلک رہی تھی۔ انھوں نے جواد سے چند باتیں کیں، پھر کچھ سوالات بھی کیے۔ بچے کی ذہانت سے وہ حیران ہونے کے ساتھ بہت خوش ہوا کہ یہ بچہ جواد کتنی تیزی سے باتوں کو سمجھتا ہے۔

کامران نے شبنم سے پُراعتماد لہجے میں کہا،

''بی بی! میری نظر ہیرے کو کوئلے میں بھی پہچان لیتی ہے۔ یہ بچہ بہت ذہین ہے۔آپ اسے اسکول میں داخل کرائیں۔شبنم نے کہا اسے مدد کی ضرورت ہے، ہماری مالی حالت ایسی نہیں کہ اس کے اخراجات برداشت کر سکیں۔

کامران نے کہا آپ اس کی فکر نہ کریں شہر میں معذور افراد کے لیے ایک آرگنائزیشن کمپوزٹ ریجنل سینٹر والے اس کی مدد کریں گے،وہیل چیئر بھی دیں گے، رہنمائی بھی کریں گے۔بس آپ ہمت کریں۔''

آپ ان سے مل لیں میں بھی انھیں جواد کے بارے میں بتاؤں گا، یہ رہا اُن کا پتہ، کامران نے شبنم کو ایک رقعہ دیا۔

شبنم نے پہلی بار امید کی ایک کرن محسوس کی۔اس نے جواد کی طرف دیکھا۔جواد کی آنکھوں میں جیسے چمک

پیدا ہو گئی تھی۔

کچھ دنوں بعد جواد کا اسکول میں داخلہ ہو گیا۔ کمپوزٹ ریجنل سینٹر کی مدد سے اسے وہیل چیئر مل گئی۔ اس کے والد صبح اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر اسکول چھوڑتے اور شام کو واپس لاتے۔

اسکول کا پہلا دن جواد کے لیے کسی تہوار سے کم نہ تھا۔ کلاس میں بچے پہلے حیران ہوئے، کچھ نے سرگوشیاں کیں، مگر استاد کامران نے سب کو سمجھایا،

''یہ تمھارا بھائی ہے۔ اس کی ٹانگیں کمزور ہیں، مگر اس کا دماغ اور دل بہت مضبوط ہیں۔''

آپ اس کا حوصلہ بڑھاتے رہیں، اسے کبھی محسوس نہ ہونے دیں کہ وہ جسمانی طور پر کمزور ہے۔

آہستہ آہستہ سب بچے جواد کے دوست بن گئے۔ کوئی اس کی کتاب اٹھا دیتا، کوئی پانی دے دیتا، کوئی ہنسا دیتا۔ کوئی وہیل چیئر کو دھکا لگا دیتا۔

جواد دل لگا کر پڑھنے لگا۔ وہ استاد کی ہر بات غور سے سنتا، سوال پوچھتا، سبق یاد کرتا۔ جو بات ایک بار سمجھ لیتا، وہ کبھی نہیں بھولتا۔

راستہ آسان نہیں تھا۔ کبھی وہیل چیئر خراب ہو جاتی، کبھی لوگ اداس نظروں سے دیکھتے، کبھی کوئی ناسمجھ بچہ مذاق اڑا دیتا۔ مگر جواد نے ہمت نہیں ہاری۔

ماں ہر رات اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتی،

''بیٹا، اللہ نے تجھے خاص بنایا ہے۔ تو ہمت نہ ہارنا۔''

اور جواد مسکرا کر جواب دیتا،

''امّاں! میں ایک دن بڑا افسر بنوں گا جو نیلی بتی والی کار میں بیٹھ کر ہمارے اسکول آتا۔''

اس کی باتیں سن کر شبنم اسے سینے سے بھینچ لیتی۔

وقت گزرتا گیا۔ جواد نے پانچویں، آٹھویں اور پھر دسویں جماعت تک کا سفر طے کیا۔ آخر وہ دن آیا جب دسویں جماعت کا نتیجہ آیا۔

جواد نے امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کیا تھا!

گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میڈیا والے اس کے گھر پہنچنے لگے۔ اخبارات میں اس کی تصویر چھپی، سوشل میڈیا پر اس کی کامیابی کی کہانی پھیل گئی۔

شبنم خوشی سے رو پڑی۔ اس نے جواد کو سینے سے لگا کر کہا،

''میرا ادھورا چاند آج پورا ہو گیا۔ اس کی روشنی سے اس گھر کا ہر کونا جگمگا اٹھا ہے۔''

جواد نے مسکرا کر کہا،

''اماں! چاند تو ہمیشہ پورا ہی ہوتا ہے، بس کبھی کبھی کوئی بادل کا ٹکڑا اُس کو اپنی اوٹ میں چھپا لیتا ہے۔''

استاد کامران جو کافی دیر سے ماں بیٹے کا پیار دیکھ رہا تھا جواد کے قریب آ کر بولا:

بی بی!..... میں نے آپ کو پہلے ہی دن کہا تھا،

معذوری کمزوری نہیں ہوتی، اصل کمزوری ہمت ہار جانا ہے۔

اگر حوصلہ، محبت اور صحیح رہنمائی مل جائے تو ہر ادھورا چاند ایک دن پورا ہو سکتا ہے۔

■

Parvez Maanoos
House No:115-Azad Basti
West Natipora Srinagar-190015
Jammu Kashmir (UT)
Email:parvezmaanous2020@gmail.com

شاہ تاج خان

بارش آئی چھم چھم چھم

اس مرتبہ مانسون وقت سے پہلے پورے ملک میں پہنچنے کا امکان ہے۔ یہ خبر دم گھونٹنے والی دہلی کی گرمی میں کسی راحت سے کم نہیں۔ آسمان پر چھانے والے کالے بادلوں کا میں بے صبری سے انتظار کر رہی ہوں۔ میں بھی سب کی طرح موسم کا لطف اٹھانا چاہتی ہوں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بارش کی پھواریں مجھ تک پہنچ پائیں گی؟ میرا گھر پرانی دہلی کی ان تنگ و تاریک گلیوں میں ہے، جہاں ہوا اور روشنی کو راستہ تلاش کرنے میں پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ جہاں سورج کی کرنیں زمین کو چھونے کی کوشش میں ہر بار ناکام رہتی ہیں۔ چھت کی ضرورت نے یہاں ہر گھر کا آنگن ہضم کر لیا ہے۔ بارش کی بوندیں اب آنگن کی بجائے چھت سے ٹکرا کر بکھر جاتی ہیں۔ گھر اور سنکری گلیاں پار کرنے کے بعد بازاروں کا بھی یہی حال ہے۔ جامع مسجد کے سامنے کے اردو بازار کو ہی دیکھیے، جہاں ایک زمانے میں ذہن کی خوراک کا انتظام تھا وہاں اب پیٹ کی خوراک کا قبضہ ہے۔ کتابوں سے اٹھنے والی کاغذ کی بھینی بھینی خوشبو کی جگہ لذیذ کھانوں کی خوشبوؤں نے لے لی ہے۔ دکانیں وہی ہیں بس سامان بدل گئے ہیں۔ یہاں اب ذائقوں کا راج ہے۔ غول کے غول آج بھی ان گلیوں، بازاروں کا رخ کرتے ہیں۔ ذائقوں سے لبالب مگر گھٹن بھرے ان بازاروں میں کھوے سے کھوا (کندھے سے کندھا) چھلتا ہے۔ موسمِ برسات میں لذیذ کھانوں سے مہکتی ان گلیوں، بازاروں میں بارش کی سوندھی خوشبو کہیں گم ہو گئی ہے۔

''گڑیا! تمھیں کب سے آواز لگا رہی ہوں۔ پھر کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئی۔ چلو شاباش! چھت سے کپڑے لے آؤ۔ بارش آنے والی ہے۔'' اپنا قلم رکھ کر بھاگتی ہوئی اپنی چھوٹی سی چھت پر پہنچی۔ بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ جلدی جلدی کپڑے سمیٹے اور واپس بھاگی۔ لکڑی کی کمزور سی سیڑھی سے سنبھل کر اترتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ اگر غسل خانے اور بیت الخلاء کی چار بائی چھ کی یہ چھت نہ ہوتی تو نہ جانے یہ کپڑے کہاں سوکھتے۔ دادی

جان کے سامنے کپڑے رکھتے ہوئے میں نے کہا۔
''دادی جان! آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ بارش ہونے والی ہے؟''
''گڑیا! یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں۔ 80 سال کی ہو رہی ہوں۔ بارش کی بوندیں جب سوکھی اور جلتی ہوئی زمین پر گرتی ہیں تو ایک خوشبو ہوا میں محسوس ہوتی ہے۔کیا تمھیں مٹی کی مہک نہیں آئی ؟''
''کیا دادی ! مجھے تو کھانوں کی خوشبوؤں کے علاوہ کوئی مہک محسوس نہیں ہوتی۔'' دادی کپڑے تہہ کرنے میں مصروف ہوگئیں اور ایک بار پھر میں نے قلم سنبھالا۔ میں ایک نجی اسکول میں ٹیچر ہوں۔کل مجھے آٹھویں کلاس کے بچوں کو بارش کے متعلق پڑھانا ہے۔ اسی لیے میں درسی کتاب لے کر کچھ نوٹس تیار کر رہی ہوں

1. نقطۂ آغاز کی بنیاد پر بارش کی تین قسموں میں درجہ بندی کی گئی ہے۔
2. الف: احمالی یا گردشی بارش (Convectional rainfall)
ب: طبعی بارش یا امدادی بارش (Orographic rainfall)
ج: گردبادی بارش یا طوفانی بارش (Cyclonic/ frontal rainfall)

اچانک بجلی کے کڑکنے کی آواز نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔بادل آج خوب گرج گرج کر برس رہے تھے۔ ہوا میں خنکی سی محسوس ہونے لگی تھی۔مئی کے مہینے میں یہ بارش تپتی جلتی گرمی سے راحت دینے والی ثابت ہو رہی تھی ۔ ورنہ تو حال یہ تھا کہ نل سے پانی غائب، بجلی گُل اور اس پر آگ اگلتا سورج۔ بادل کھل کر برس رہے تھے مگر رم جھم بارش کے باوجود گلی سے بچوں کا کوئی شور سنائی نہیں دے رہا تھا۔کیا کریں !اب بچوں کو بارش میں بھیگنے میں لطف نہیں آتا۔وہ تو بس موبائل فون میں ہی ڈبکیاں لگاتے رہتے ہیں۔ میں بھی بار بار کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہوں۔ میں پھر اپنے ذہن کو واپس کھینچ کر نوٹس کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

میں جانتی ہوں کہ میری کلاس کا ہونہار طالب علم شائق یہ سنتے ہی کہ بارش تین قسم کی ہوتی ہے۔ وہ سوال کرے گا کہ بارش تو بارش ہوتی ہے یہ تین اقسام کی کیسے ہوتی ہے؟ وہ 'کیوں' نہیں بلکہ 'کیسے' لفظ کے ساتھ سوال پوچھتا ہے۔مجھے اس کے سوالات میں 'کیسے' لفظ بے حد پسند ہیں یہ اس کے سائنسی مزاج (Scientific temprament) کی عکاسی کرتا ہے۔خیر! میں نے پھر اپنے منصوبۂ سبق کی تیاری پر توجہ دیتے ہوئے سب سے پہلے احمالی یا گردشی بارش (Convectional rainfall) کے بارے میں لکھنا شروع کیا ۔

3. استوائی علاقوں میں اس قسم کی بارش ہوتی ہے۔یہ بارش اکثر دوپہر کے بعد ہوتی ہے۔خوب بادل گرجتے ہیں اور بجلیاں چمکتی ہیں۔

لکھتے ہوئے مجھے جنید کا خیال آیا۔کلاس کی دوسری لائن کے تیسرے بینچ پر بیٹھنے والا یہ بچہ ہمیشہ کی طرح کھڑے ہو کر کئی سوال ایک ساتھ پوچھے گا۔
''یہ استوائی علاقہ کون سا ہوتا ہے اور یہ کہاں پایا جاتا ہے؟ یہ کون سے علاقے ہیں جہاں روز بارش ہوتی ہے؟ ہمیں تو بارش کا انتظار مہینوں کرنا پڑتا ہے۔''
اس لیے مجھے استوائی علاقہ کی وضاحت کے لیے

بھی تیار رہنا چاہیے۔میں نے اگلا پوائنٹ استوائی علاقہ کی وضاحت دیتے ہوئے لکھا۔

4. دنیا کے نقشے پر درمیان میں کھینچا گیا ایک فرضی خط جسے 'خطِ استوا' کہتے ہیں۔یہ خط دنیا کو شمال اور جنوب، دو برابر حصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔خط استوا کے قریب کے علاقوں کو استوائی علاقہ کہا جاتا ہے۔استوائی خطے کے کچھ اہم علاقے ہیں، افریقہ میں کانگو ندی کی وادی، جنوبی امریکہ میں امیزان ندی کی وادی اور جنوب مشرقی ایشیا کے جنگلات وغیرہ۔

میں نے حاشیے میں اپنی یادداشت کے لیے لکھا کہ میں اپنی بات مزید سمجھانے کے لیے کلاس کو دنیا کا نقشہ دکھا کر خطِ استوا تلاش کرنے کے لیے کہوں گی۔اس کے علاوہ میں اپنے ساتھ گلوب لے جانا نہیں بھولوں گی۔ میری کلاس کے کچھ بچے گلوب دیکھنے میں بے حد دلچسپی لیتے ہیں۔وہ اکثر گلوب اور دیوار پر لٹکے نقشے میں کئی چیزیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ پہلے گلوب میں دیکھتے ہیں اور پھر وہی مقام بڑے نقشے میں کھوجتے ہیں۔ مجھے ان کی آنکھوں میں مچلتا تجسس بہت پسند آتا ہے۔تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔دروازہ کھولا تو سامنے ہماری پڑوسن کی چھوٹی بیٹی روبینہ تھی۔

''باجی! ہمارے کمرے میں دیوار کے سہارے بارش کا پانی بہت تیزی سے آرہا ہے۔کیا آپ نے چھت پر ترپال نہیں ڈالی ہے؟''

''اوہ! اب بھی کمرے میں پانی آرہا ہے؟ اف خدایا! میری ساری محنت بیکار چلی گئی۔تم چلو! میں ابھی ترپال سیدھی کر کے آتی ہوں۔'' بانس پر لپٹی ترپال کو جلدی سے کھولا اور اپنی مختصر سی چھت پر پھیلا دیا۔بارش کافی تیز تھی اس لیے میں تھوڑا بھیگ گئی تھی۔میں اپنی چادر سر پر اوڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ کیسے گھر ہیں جہاں ہوا، روشنی اور دھوپ تو لوگوں کو درشن نہیں دیتی مگر بارش کا پانی راستہ بنا لیتا ہے۔ بارش سے قبل ہی یہاں لوگ اپنے گھروں میں بارش کے پانی کے زبردستی کے داخلی راستوں کو بند کرنے کا سامان اکٹھا کرنے لگتے ہیں۔کوئی ڈامر سے دراڑیں بھرنے میں مصروف ہوتا ہے تو کوئی سیمنٹ اور ریت لے کر چھتوں کی مرمت میں پسینہ بہا رہا ہوتا ہے۔چھت کی حالت زیادہ خراب ہونے کی صورت میں راج مزدور بھی اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ہمارے گھر کی مختصر سی چھت کی حالت درست کرنے کے لیے دادی امّاں نے ریت اور سیمنٹ کا مرکب دے کر کرنی (Trowel) یا کھرپا مجھے بھی دیا تھا اور تاکید کی تھی۔

''دونوں دیواروں کے درمیان جو خالی جگہ بن گئی ہے۔اسے اچھی طرح سے بھرنا۔'' مگر میری محنت بیکار گئی ہے۔تبھی تو پھر سے وہی پرانا جگاڑ یعنی ترپال کو ہی کھولنا پڑا۔خیر! میں کر بھی کیا سکتی ہوں۔میں پھر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ کاغذ قلم سنبھالا اور دیکھا کہ ابھی تو دو اقسام کی بارش کے بارے میں نکات تیار کرنا باقی ہیں۔میں نے پھر لکھنا شروع کیا۔دوسری قسم ہے۔

5. طبعی یا امدادی بارش (Orographic rainfall)۔ سمندر یا بڑے آبی ذخائر سے آنے والی ہوائیں بخارات سے لبریز ہوتی ہیں۔ ان ہواؤں کے راستے میں جب بلند پہاڑ آتے ہیں تب یہ ہوائیں اوپر کی جانب اٹھتی

ہیں۔ پھر بھاپ سے لدی ہواؤں کی پرواز میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ان ہواؤں میں موجود آبی بخارات کی راہ میں بلند پہاڑ رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان میں تکثیف عمل میں آتی ہے اور پھر بارش ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اس بارش کو مزاحمتی بارش بھی کہتے ہیں۔ مزاحمتی بارش دنیا کے سب سے زیادہ علاقوں میں ہوتی ہے۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کلاس کا سب سے ذہین بچہ فرید عملِ تکثیف کے بارے میں سوال پوچھ سکتا ہے۔ یہ اصطلاحات بچوں کو سمجھنے میں اکثر دشواری ہوتی ہے۔ تو مجھے یہ ایک پوائنٹ بھی تیار کرنا چاہیے۔

6. عملِ تکثیف (condensation) وہ عمل ہے جس میں گیس یا بخارات ٹھوس یا مائع حالت (بہنے کی صلاحیت) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ گیس ٹھنڈی ہوتی ہے تو اس کے بخارات، مائع میں بدل جاتے ہیں۔

امّی ابّو ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ شاید انھیں باجی نے روک لیا ہوگا۔ امّی کو کئی دن سے اپنی بیٹی سے زیادہ نواسے کی یاد آ رہی تھی۔ امّی اگر گھر میں ہوتیں تو گرما گرم پکوڑے کھانے کو ملتے۔ میں نے سوچا کہ سبق تیار کر کے آج میں دادی کے لیے چائے اور پکوڑے اپنے ہاتھوں سے بناؤں گی۔ صرف تیسری قسم کی بارش کے متعلق معلومات درج کرنا باقی تھا۔ میں نے لکھا

7. گردبادی بارش یا طوفانی بارش

(Cyclonic/frontal rainfall)

8. معتدل عرض البلد (Mid-latitude) کے علاقوں میں طوفانی بارش عام ہے۔ دو مختلف ہوا کے دباؤ، ایک گرم اور مرطوب دوسرا ٹھنڈا اور کثیف، آپس میں ملتے ہیں۔ کسی جگہ پر ہوا کا دباؤ اطراف کے علاقوں سے کم ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک مخصوص ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ اسے گردباد یا بگولا کہتے ہیں۔

درسی کتاب میں تصویر کے ساتھ اسے سمجھایا گیا تھا۔ میں بچوں کو آسان طریقے سے سمجھانے کے لیے اس کا بغور مطالعہ کرنے لگی۔ میں ابھی ماہر اور تجربے کار ٹیچر نہیں ہوں۔ چند ماہ قبل ہی اسکول میں بطور جغرافیہ ٹیچر پڑھانا شروع کیا ہے۔ اس لیے ہر روز ایسے ہی تیاری کرتی ہوں۔ میں نے دورانِ تعلیم اکثر محسوس کیا تھا کہ ہمیں درسی کتب میں موجود بہت سی باتیں سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ اس لیے کوشش کرتی ہوں کہ معلومات کو سلیس اور آسان طریقے سے ایسے بتاؤں کہ بچوں کی دلچسپی بھی سبق میں برقرار رہے اور بات بھی سمجھ میں آ جائے۔ میں نے ایک مرتبہ پھر سے اپنے منصوبۂ سبق پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ گردبادی بارش کے متعلق مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس لیے تصویر میں موجود چند معلومات کو نوٹ کیا۔

9. یہ گردباد گولا جہاں سے گزرتا ہے وہاں بارش ہوتی ہے۔

10. گردباد کے درمیان کی جانب چاروں طرف کے علاقوں سے چکردار طریقے سے ہوا آتی ہے، جس سے مرکزی علاقے کی ہوا بلند ہوتی جاتی ہے۔

11. ہوا کے بلندی پر پہنچنے پر اس کے درجہ حرارت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ پھر وہی آبی بخارات کی تکثیف عمل میں آتی ہے اور بارش ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی بارش ان علاقوں میں عام ہوتی ہے جہاں گرم اور ٹھنڈی ہوائیں ملتی ہیں۔

مجھے لگتا ہے کہ اتنے نکات کل کلاس میں سبق پڑھاتے ہوئے میری کافی مدد کریں گے۔اتنی تیاری کے باوجود بھی بچوں کی جانب سے آنے والے کئی سوالات کے جواب تلاش کرنے کے لیے مجھے بچوں سے وقت لینا پڑتا ہے۔ ایسے کسی سوال پر میں انھیں ڈانٹنے کے بجائے پیار سے کہتی ہوں۔

’’میں نے آپ کا سوال نوٹ کر لیا ہے۔اس کا جواب کل دوں گی۔‘‘ میں مانتی ہوں کہ سوالات کبھی غلط نہیں ہوتے۔ ہاں! ان کے جوابات غلط ہو سکتے ہیں۔

میں نے اپنا قلم رکھا اور دادی کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھیں۔ان کی نیند کھلنے سے پہلے میں چائے اور پکوڑے تیار کرنے کے لیے اٹھ گئی۔ امّی ابّو ابھی تک نہیں آئے تھے۔رم جھم برسات ابھی بھی جاری تھی۔ میں اپنے گھر کی ہواداری(ventilation) یعنی روشن دان اور کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہوا کے آنے جانے کے نام پر ہمارے پاس صرف یہی دو بائی دو کا ایک چوکور ’شافٹ‘ ہے۔ دادی ہمیشہ اس شافٹ کو بادکش کہتی ہیں۔ یہ اکلوتا شافٹ چار منزلہ عمارت میں رہنے والے اپنے مکینوں کو تازہ ہوا پہنچانے کی ذمے داری سنبھالتا ہے۔ ہمارا گیس چولھا بالکل اسی شافٹ کے پاس ہی رکھا ہے۔ دماغ کے ساتھ ساتھ میرے ہاتھ بھی تیزی سے چل رہے تھے۔ گرما گرم پکوڑوں اور چائے کے دو کپ ٹرے میں رکھ کر میں نے دادی کو نیند سے بیدار کرنے کے لیے آہستہ سے آواز دی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے امّی ابّو کھڑے تھے۔امّی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا:

’’ارے واہ! گرما گرم چائے اور پکوڑے۔موسم کا مزہ تو اب آیا ہے!‘‘ ابّو بھی مسکراتے ہوئے پکوڑے کھانے لگے اور میں مزید دو کپ چائے تیار کرنے کے لیے اٹھ گئی۔

■

Shahtaj Khan
588/2b, Plot No: 40, Flat No: 4
Hayat Manzil, New Era Society
Bibwewadi, Marketyard,
Pune-411037 (Maharashtra)
Mob.: 9225545354
shahtaj786@gmail.com

جواب

1. وزیراعظم
2. 15 اگست 1947 کو
3. جنوبی کوریا، شمالی کوریا، بحرین اور کانگو
4. سروجنی نائیڈو کو
5. نواکھالی (موجودہ بنگلہ دیش)
6. پنگالی وینکیا نے
7. جن گن من، رابندر ناتھ ٹیگور
8. وندے ماترم، بکم چندر چٹرجی
9. دو: سرخ اور سبز
10. 22 جولائی 1947 کو
11. مہاتما گاندھی کے
12. تین: زعفرانی، سفید اور ہرا
13. 52 سیکنڈ
14. 22 جولائی 1947 کو
15. رانی لکشمی بائی نے
16. نیتاجی سبھاش چندر بوس کا
17. سردار ولبھ بھائی پٹیل کا
18. حسرت موہانی نے 1921 میں
19. ساحر لدھیانوی نے
20. برج نرائن چکبست

رومانہ عفت راہی

بچپن کی وہ برساتیں

برسات کا موسم پورے شباب پر تھا۔ آج صبح سے بادل خوب برس رہے تھے جس کی وجہ سے ہر سمت جل تھل ہو چکا تھا۔ آج اتوار تھا اس لیے سب کی چھٹی تھی۔ شام ہونے کے ساتھ بارش میں اور زیادہ تیزی آ گئی تھی۔ ارسلان احمد شام کی چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دعا اور دانش کو ہوم ورک کرا رہے تھے، جب کہ دعا کا دل بارش میں اٹکا ہوا تھا... وہ غائب دماغی سے اپنا ہوم ورک کر رہی تھی۔ اسے بارش کا موسم ہمیشہ سے بہت پسند تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس برستی بارش میں خوب بھیگے، شرارتیں کرے لیکن اس کے پیرنٹس اسے کبھی بارش میں بھیگنے نہیں دیتے تھے کہ بیمار پڑ جاؤ گی... دانش کا ہوم ورک کمپلیٹ ہو چکا تھا اس نے اپنے پاپا کو اپنا ہوم ورک دکھایا۔

''ویری گڈ بیٹا!... دانش از گڈ بوائے''... ارسلان احمد نے اس کے ہوم ورک چیک کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''دعا بیٹا!... آپ کا ہوم ورک کب پورا ہوگا...؟''
ارسلان احمد نے دعا سے کہا۔

''پاپا...! میں اپنا ہوم ورک بعد میں پورا کر لوں گی، مجھے بارش میں بھیگنا ہے''... وہ صبح سے کئی بار بارش میں بھیگنے کی ضد کر چکی تھی۔

''آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ اگر بارش میں بھیگو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی اور پھر پڑھائی کا بھی نقصان ہوگا''... ارسلان احمد نے دعا سے کہا۔

دعا اور دانش دونوں ہی ذہین تھے اور اپنی ہر کلاس میں فرسٹ آتے تھے... دعا بارش میں بھیگنے کی ضد کرنے

لگی تو اس کے پاپا نے اسے ڈانٹ دیا، اس نے ناراضگی سے اپنا ہوم ورک پورا کیا اور پاپا کو دکھا کر اپنے بنگلے کے سیکنڈ فلور کی بالکونی میں چلی آئی... وہ لان میں لگے درخت، پیڑ پودوں کو دیکھنے لگی۔ وہ ان برستی بارش کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد پاپا، ممی اور دانش وہاں بالکونی میں چلے آئے تھے۔

''یہاں کھڑے ہو کر بھی بارش خوب انجوائے کی جاسکتی ہے''... پاپا نے پیار سے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ ممی اور دانش پاس رکھی چیئر پہ بیٹھ گئے۔

''دور سے بارش کیا انجوائے کی جاسکتی ہے پاپا... میں نے کبھی محسوس ہی نہیں کیا کہ اس خوبصورت بارش میں بھیگنا کیسا لگتا ہے... کیوں آپ لوگ مجھے کبھی بارش میں بھیگنے نہیں دیتے؟ وہ غصے میں بولی... اُس کے لہجے میں حسرت کے ساتھ مایوسی بھی تھی!

''دعا!... میری گڑیا آپ اتنی نازک سی ہو۔ یہ بارش میں بھیگنا کہیں آپ کو بیمار نہ کر دے، اس لیے آپ کو بارش میں بھیگنے نہیں دیتے''... انھوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

''بیمار پڑنے کے ڈر سے آپ لوگوں نے مجھے کبھی بارش میں بھیگنے نہیں دیا... کیا پاپا آپ کبھی اپنے بچپن میں اس رم جھم برستی بارش میں بھیگے نہیں...؟ دعا نے پوچھا تو ارسلان احمد کے دل و دماغ پر گزرے دنوں کی یادوں نے دستک دی اور ان حسین لمحوں کو یاد کر کے اُن کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی... انھوں نے دعا کا ہاتھ پکڑا اور پاس رکھی چیئر پہ اسے بٹھایا اور خود دوسری چیئر پہ بیٹھ گئے... جب کہ اس کی ممی اور دانش خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

''بیٹا!... آپ کے پاپا بچپن میں بہت شرارتی اور نٹ کھٹ تھے... بچپن کی وہ شرارتیں اور برساتیں میرے لیے کسی قیمتی خزانے سے کم نہیں تھیں... ان یادگار لمحوں کو میں نے اپنے دل میں قید کر رکھا ہے... برسات کے موسم میں گاؤں کا وہ خوبصورت منظر آج بھی میری نظروں میں گھومتا ہے جب ہر سمت بارش کی وجہ سے جل تھل ہو جایا کرتا تھا... میں اور میرے گاؤں کے سارے دوست مل کر بارش میں خوب نہاتے اور ٹوٹے پھوٹے کچے راستوں پر گڑھوں میں، بارش کا جو پانی ٹھہر جاتا تھا اس پانی میں کاغذ کی کشتی بنا کر بہاتے تھے۔ جس کی کشتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ سب سے آگے جاتی تھی وہ خوب خوش ہوتا تھا جس کی کشتی ڈوب جاتی تھی وہ روتا تھا... بارش میں سب کے گھر میں طرح طرح کے پکوان بنتے تھے۔ بیشک گاؤں کے بہت سارے مکان کچے تھے لیکن دل ایک دوسرے کے لیے سچے تھے۔ سب مل جل کر ایک ساتھ ان بارشوں کا لطف اٹھاتے تھے۔ وہ بچپن کی برساتیں مجھے بہت یاد آتی ہیں لیکن وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے، میرا گاؤں اب نہ میں اب اس گاؤں میں رہتا ہوں نہ میرے دوست، سب اپنی اپنی ملازمت کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں، اور دنیا کی اس بھیڑ میں گم ہو گئے ہے... سچ کہوں تو بیٹا، یہ برساتیں مجھے گزرے دنوں کی خوبصورت یاد دلاتی ہیں اور ہر برسنے والی بارش مجھے شدت سے یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ میرے بچپن کی برساتیں کتنی حسین تھی''... ان دنوں کو یاد کر کے ارسلان احمد کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی تھی۔

''پاپا!... آپ نے اپنے بچپن کی برساتیں تو خوب انجوائے کی ہیں، آپ نے اپنا بچپن تو جی لیا ہے، لیکن آپ مجھے میرا بچپن کیوں نہیں جینے دیتے۔'' دعا نے بہت دکھ سے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا...! میں تو چاہتا ہوں کہ آپ اپنا بچپن خوب اچھے سے جیو، تاکہ کل جب آپ بڑی ہو جاؤ تو آپ کے پاس بچپن کی خوبصورت یادیں ہوں''... ارسلان احمد نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''نہیں پاپا!... میرے پاس بچپن کی خوبصورت یادیں نہیں رہیں گی کیونکہ ہمارا بچپن تو صرف ایک ہی دائرے میں محدود ہو گیا ہے۔ آپ نے پڑھائی کا بوجھ ہم پر اس طرح ڈال دیا ہے کہ ہم کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے۔ نا ہمیں باہر جا کر کالونی کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کی آزادی ہے اور نہ ہم ان بارشوں میں بھیگ سکتے ہیں۔ اپنی مرضی سے ہم اپنا بچپن جی ہی نہیں سکتے''... دعا اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی، جب کہ اس کے پیرنٹس اس کی باتیں سن رہے تھے... ان کی بیٹی سچ تو کہہ رہی تھی۔ انھوں نے کہاں اپنے بچوں کو بچپن کا یہ حسین سا دور جینے دیا تھا۔ انھوں نے تو ٹائم ٹیبل بنا کر اپنے بچوں کو دے دیا تھا جس کے حساب سے انھیں اپنا ہر کام کرنا ہوتا تھا۔ دعا اور دانش کبھی بھی پڑھائی سے جی نہیں چراتے تھے۔ وہ بہت ہی فرمانبردار بچے تھے۔ وہ اپنے پیرنٹس کی ہر بات مانتے تھے لیکن وہ اپنے بچپن کو جینا چاہتے تھے۔ دعا کی باتوں سے انھیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ سچ ہے پڑھائی کے ساتھ ساتھ سیر و تفریح بھی ضروری ہے۔ بچپن کا دوسرا نام ہی شرارت ہے۔ شرارت ایسی ہونی چاہیے جس سے کسی کا نقصان نہ ہو۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی فیملی کے ساتھ ٹیرس پر خوبصورت سی بارش میں بھیگ رہی تھی اور کھلکھلا رہی تھی، دعا بہت خوش تھی اس کی دیرینہ خواہش بارش میں بھیگنے کی پوری ہو گئی تھی۔ انھوں نے ٹیرس پہ بارش کا پانی روک دیا تھا اور پھر اس ٹھہرے ہوئے پانی میں کاغذ کی ناؤ بنا کر بہا رہے تھے۔ دعا اور دانش کے ساتھ اس کی ممی، پاپا بھی بچہ بن گئے تھے اور ان برستی بارش کو خوب انجوائے کر رہے تھے۔

دیر تک بارش میں بھیگنے کے بعد وہ سب فریش ہو کر واپس بالکونی میں آ گئے تھے، اس کی ممی نے پکوڑے بنائے تھے اور ساتھ میں گرم گرم کافی بھی۔ وہ سب ہنستے کھلکھلاتے اس برستی بارش کو انجوائے کر رہے تھے... اور پھر ہر برسنے والی بارش میں ایک ساتھ بھیگتے، مستی کرتے اور ان بارشوں کو دل سے انجوائے کرتے۔ جس طرح دعا کے پاپا کے پاس ان کے بچپن کی وہ برساتیں خوبصورت یادوں میں محفوظ تھیں اب دعا بھی اپنے ان بچپن کی برساتوں کو دل کھول کر جی رہی تھی اور پانی کی ہر ہر بوند اپنے دل کی ڈائری میں تحریر کرتی جا رہی تھی تاکہ جب وہ بڑی ہو جائے تو اس کے پاس بھی بچپن کی ان برساتوں کی نٹ کھٹ یادیں ہمیشہ محفوظ رہیں۔

■

Rumana Iffat D/o: Shaikh Bilal.
Hirapura,Near Masjid Darussalam
Achalpur City
Dist: Amravati-444806 (Maharashtra)
Mob:9503161257
rumanaiffatrahi@gmail.com

قسط 2

انوکھے شکاری

مصنف: شمس الاسلام فاروقی

مصور: محمد خالد فاروقی

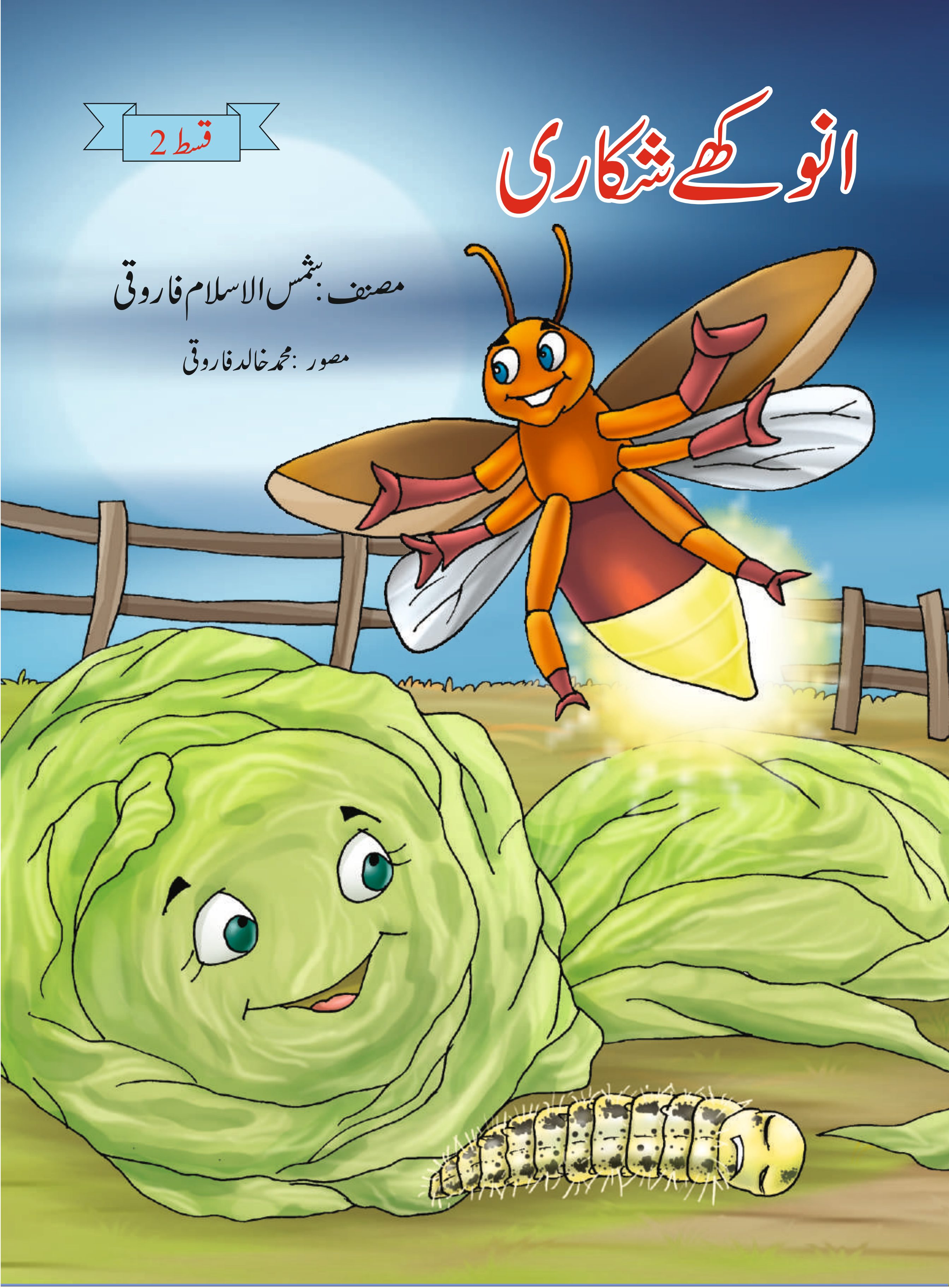

انھیں یہ دیکھ کر اچھا نہیں لگا مگر کیونکہ کیٹر پلر ان کے کھانے کی چیز نہیں تھا اس لیے وہ پتّہ گوبھی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اتفاق کی بات اسی وقت پتلی کمر والی ایموفائلا مڈ واسپ (Ammophila Mud Wasp) ادھر سے گزر رہی تھی۔ جگنو نے اسے آواز دے کر بلایا اور کہا کہ یہاں ایک موٹا تازہ کیٹر پلر بیچارے پتّہ گوبھی کو پریشان کر رہا ہے۔ ایموفائلا اس خبر سے بہت خوش ہوئی اور فوراً ہی پتّہ گوبھی کے پاس پہنچ گئی۔

اسے دیکھ کر کیٹر پلر پتّہ گوبھی کے پتّوں میں خود کو چھپانے لگا مگر ایموفائلا نے تیزی سے جھپٹ کر اپنا ڈنک اس کے جسم میں چبھو دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کیٹر پلر بیہوش ہو گیا جس کے بعد اسے پتّوں سے کھینچ کر باہر نکالنا ایموفائلا کے لیے آسان ہو گیا۔ اس نے اسے اپنی ٹانگوں کے بیچ پھنسایا اور لے جانے کو تیار ہو گئی۔ یہ دیکھا تو جگنو بولا:

"بہن اتنے بھاری کیٹر پلر کو اٹھا کر لے جانے کی تکلیف کیوں کر رہی ہو۔ اچھا ہوتا کہ اسے یہیں کھا پی کر ختم کر دیتیں۔"

ایموفائلا کے جانے کے بعد اچانک ہی جگنو کی نظر ایک اور کیٹر پلر پر پڑی جو پتّہ گوبھی کے پتّے پر بے سدھ پڑا تھا- اسے دیکھ کر جگنو بولا: "ارے تمھارے پتّے پر تو ایک کیٹر پلر اور بھی ہے- تم بتاتے تو اسے بھی ایموفائلا اپنے ساتھ لے جاتی-" یہ سن کر پتّہ گوبھی نے کہا: "یہ کیٹر پلر تو مرا ہوا ہے- اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں-"

8

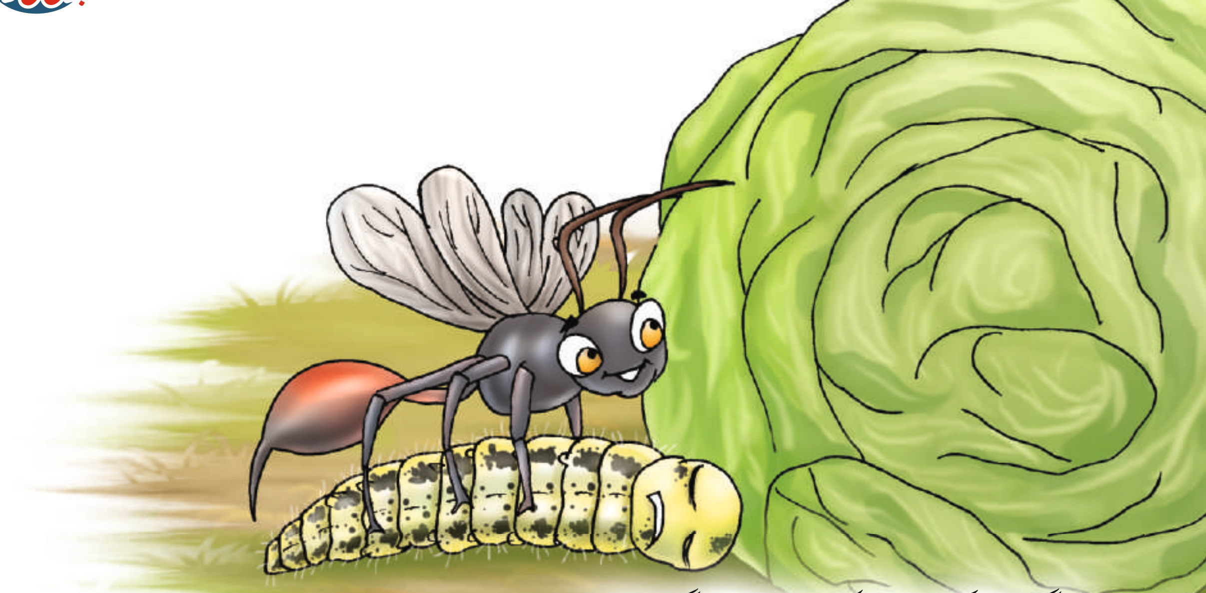

" مگر یہ مرا کیسے اور اسے کس نے مارا؟ " جگنو نے پوچھا۔

" کچھ دن پہلے یہاں ایک چیونٹی جیسا پردار کیڑا آیا تھا۔۔جس کا نام تھا بریکون۔۔اس نے پہلے تو اپنا ڈنک چبھو کر اسے بیہوش کیا اور پھر اس کے پیٹ میں انڈے دے کر اڑ گیا۔انڈوں سے نکلنے والے لاروں نے اسے اندر ہی اندر کھا لیا اور صرف باہری کھال بچی رہ گئی۔ لاروے باہر نکل آئے اور پیوپے بن گئے جن سے چند ہی دن بعد بریکون کے بچے نکلے اور ادھر ادھر اڑ گئے۔ اگر یہ کیٹر پلر بھی اسی وقت آجاتا تو اس کا بھی وہی حال ہوتا جو اس کیٹر پلر کا ہوا تھا۔" پتّہ گوبھی نے بتایا۔

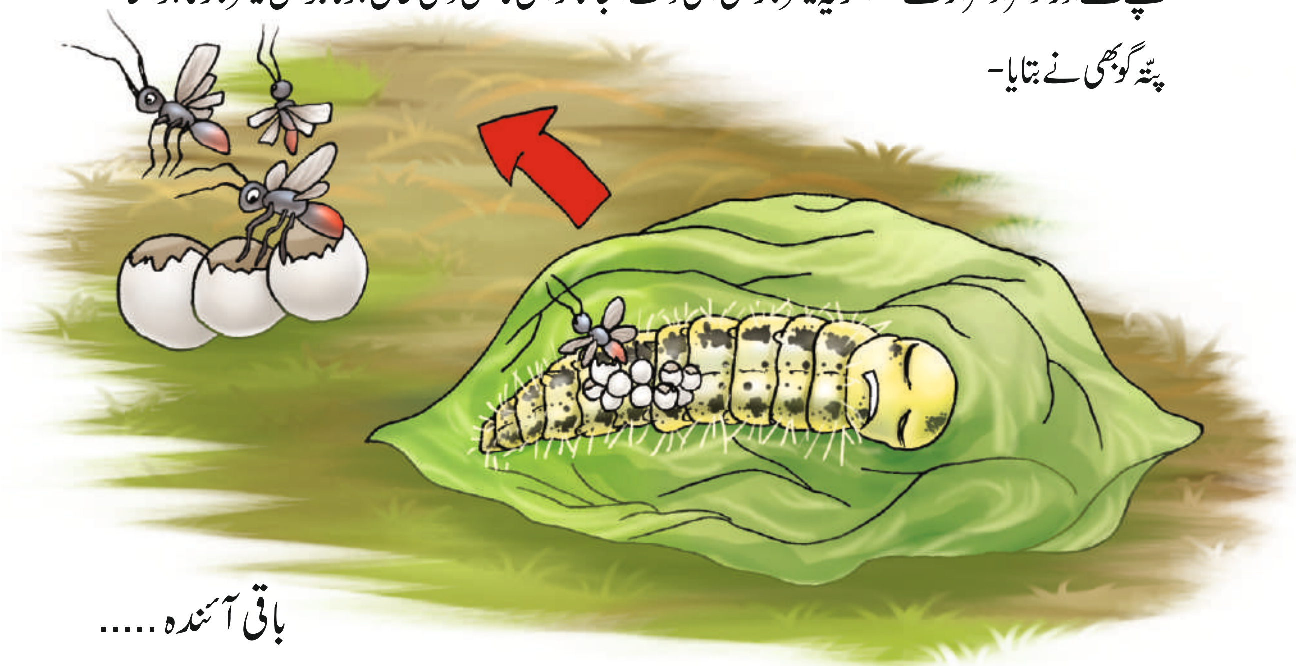

باقی آئندہ .....

9

اطہر پرویز

پرندوں کی خصوصیات

وہ جانور جن کے پَر ہوتے ہیں، پرندے کہلاتے ہیں۔ جتنے پرندے ہوا میں اڑتے ہیں وہ سب پرندے کہے جاتے ہیں۔ بس اس میں صرف چمگادڑ شامل نہیں ہے۔بعض پرندے بہت تیز اڑ سکتے ہیں، یہاں تک کہ اس میں کچھ پرندے ایسے ہیں جو 100 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتے ہیں جس طرح دوسرے جانوروں کے بدن پر بال یا سمور ہوتے ہیں۔ اسی طرح پرندوں کی کھال سے پَر نکلتے ہیں۔ ان کے پر ہلکے، لچکدار، لیکن سخت ہوتے ہیں۔ پر کے بیچ کا حصہ سخت ہوتا ہے، ان کے دونوں طرف کے ریشے پرندے کو اڑنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ جب پر نیچے آتے ہیں تو یہ ریشے الگ ہوجاتے ہیں اوران کے درمیان سے ہوا گزر جاتی ہے جس کی وجہ سے پٹھوں پر بہت کمزور پڑتا ہے۔ زمین پر چلنے والے جانوروں کے دو جوڑ پیر ہوتے ہیں۔ پرندے اڑنے کے لیے خاص کر آگے کے پیر پر یا پنکھ کی شکل میں ڈھل گئے ہیں۔اس کا جسم لہردار ہوتا ہے جو اڑتے وقت ہوا کی رکاوٹ کو کم کرتا ہے۔اس کی چونچ عام طور پر نکیلی ہوتی ہے جو ہوا کی مخالفت کو کم کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ دم بھی عام طور پر چھوٹی ہوتی ہے اور پروں سے بھری ہوتی ہے۔ اڑان کے وقت یہ راستہ تبدیل کرنے کا کام کرتی ہے۔

پرندوں کے دانت نہیں ہوتے۔ ان کی ہڈیاں ہلکی اور اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں۔ پرندوں کی ریڑھ کی ہڈی دوسرے ریڑھ کی ہڈی والے جانوروں سے مختلف ہوتی ہے۔اس کی بناوٹ کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ اسے اڑنے میں مدد ملے اس کو دنیا کی سب سے زیادہ مکمل اڑنے والی مشین کہا جاسکتا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی، پسلیاں اور سینے کی ہڈی ایک دوسرے سے جڑی رہتی ہیں اور پھر ایک مضبوط پنجرا سا بن جاتا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ پرندوں کی نسل رینگنے والے جانور مثلاً چھپکلی اور گرگٹ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے، ان کے اگلے پیر بڑھ کر ان کے ڈینے اور پر بن گئے ہیں۔ اس بات کا اندازہ چڑیوں کے انڈوں سے بچے نکلتے وقت لگایا جاسکتا ہے۔ جب پرندوں کے بچوں کے پر نکلتے ہیں تو سب سے پہلے ان کے جسم میں انگوٹھے اور انگلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی رینگنے والے جانوروں کے اگلے پیر ہوجاتے ہیں اور چڑیوں کے ڈینے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ پہلے جب

چڑیاں اڑ نہیں سکتی تھیں اس وقت وہ تھوڑا بہت پھدکتی تھیں اور اپنے پچھلے یا اگلے پیروں کے سہارے رینگتی یا پیڑوں پر چڑھتی تھیں۔ اس وقت ان کے پروں میں اڑنے کی طاقت نہ تھی۔ ان کے ڈینے میں جب پر نکل آئے تو پھر ناخنوں کی ضرورت باقی نہ رہی اور وہ اڑنے لگے۔ بعض چڑیوں کے پیروں کے کانٹے بہت سے رینگنے والے جانوروں سے ملتے جلتے ہیں۔ پرندوں کے دانت نہیں ہوتے۔ ان کی غذا چونچ کے ذریعے ان کے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ پیٹ میں جا کر یہ غذا نرم ہو جاتی ہے۔ نرم ہو جانے کے بعد یہ غذا معدے کے اگلے حصے میں چلی جاتی ہے اور پھر ہضم کرنے کا کام ہوتا ہے۔ چونکہ ان کے منھ کو چبانے کا کام نہیں کرنا پڑتا۔ اس لیے ان کو چوڑے جبڑے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ پھر اس کے لیے مضبوط پٹھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ پرندے جب رینگنے والے جانور تھے تو یقیناً یہ ٹھنڈے خون کے جانور رہے ہوں گے لیکن جب یہ اڑنے لگے تو پھر ان میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ گرم خون کے جانور بن گئے۔ یعنی یہ کہ ان کا درجۂ حرارت بدلتا نہیں بلکہ متوازن رہتا ہے جیسے آدمی کے جسم کا — جب چڑیاں انڈے دیتی ہیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا درجۂ حرارت وہی رکھا جائے اور اسی لیے چڑیوں کو انھیں اچھا رکھنے کے لیے گھونسلے بنانے پڑے، اور اس سے چڑیوں کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی اس سے چڑیوں میں بعض بڑی دلچسپ عادتیں پیدا ہو گئیں۔ مثلاً یہ کہ انھیں موسم کے اعتبار سے جگہوں کو بدلنا پڑا۔ اگر وہ ٹھنڈے خون کی ہوتیں تو پھر وہ اپنے جسم کو بدلتے ہوئے موسموں کے درجۂ حرارت کے مطابق کر لیتیں، لیکن ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ تھا اس لیے وہ جگہ بھی بدلا کرتی ہیں۔ پرندوں کے جسم میں انسان کے جسم سے زیادہ حرارت ہوتی ہے چونکہ وہ باہر موسم کے لحاظ سے اپنے بدن کا درجۂ حرارت نہیں بدلتے۔ اس لیے اردگرد کیسی ہی ٹھنڈ کیوں نہ ہو — ان کا جسم ہمیشہ گرم رہے گا۔ ان کے جسم کا درجۂ حرارت اوسطاً 45 ڈگری سینٹی گریڈ رہتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ مچھلی، چھپکلی، اور جل تھلیوں کے مقابلے میں انسانوں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

پرندوں کی آنکھیں بڑی تیزی ہوتی ہیں۔ وہ بہت دور تک دیکھ سکتی ہیں۔ عقاب اور گدھ تو میلوں دور تک دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی آنکھ میں ایک پپوٹا زیادہ ہوتا ہے جو اِدھر اُدھر چل کر آنکھ کو اس طرح پونچھتا رہتا ہے۔ جیسے موٹر کا شیشہ صاف کرنے والا ربڑ ہوتا ہے جو موٹر کے شیشے کو صاف کرتا رہتا ہے۔ پرندے اپنی آنکھوں کو فاصلے کے مطابق کر لیتے ہیں۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ پرندوں کی تقریباً 13 ہزار سے 14 ہزار قسمیں ہیں، ان کے پروں کے رنگوں میں بے حد انوکھا پن ہوتا ہے اور بعض پرندے تو بے حد خوبصورت ہوتے ہیں اور بعض پرندوں کی آوازیں بڑی سریلی ہوتی ہیں۔ اسی لیے لوگ انھیں پکڑ کر پنجروں میں پالتے ہیں۔

تمام پرندے پھیپھڑوں سے سانس لیتے ہیں۔ بعض پرندے، آبی پرندے ہوتے ہیں، یعنی ان کا ایک طرح سے پانی سے تعلق ہوتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ وہ پانی میں نہیں رہتے، اس میں دوڑتے پھرتے ہیں کبھی کبھی غوطہ لگا کر پانی

کے کیڑوں مکوڑوں یا چھوٹی موٹی مچھلیوں کا شکار کر لیتے ہیں لیکن ان میں کوئی بھی پانی کی سطح کے نیچے نہیں ٹھہر سکتا۔

ایک بات پرندوں کے بارے میں بڑی دلچسپ ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جن پرندوں کے پر ہوتے ہیں وہ سب اڑ سکتے ہیں۔ بعض پرندے پر ہونے کے باوجود اڑ نہیں سکتے۔ جیسے شترمرغ، اور پنگوئن۔ ان کی دو ٹانگیں ہوتی ہیں یہ چلتے ہیں۔

اب آیئے آپ کو ایسے پرندے کے بارے میں بتائیں جو اڑ تو لیتا ہے لیکن وہ پرندہ نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ یہ ہے چمگادڑ۔ چمگادڑ انڈے نہیں دیتی بلکہ اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔

پرندوں کے گھرانے میں سب سے بڑا پرندہ شترمرغ ہے۔ شترمرغ زیادہ تر افریقہ اور عرب کے ریگستانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا قد تقریباً سات آٹھ فٹ اونچا ہوتا ہے اور اس کا وزن 75 کلو سے ڈیڑھ کوئنٹل تک ہوتا ہے۔ یہ اپنی لمبی ٹانگوں کی بدولت گھوڑے سے بھی تیز دوڑ سکتا ہے۔ اس کی پیٹھ پر آدمی سواری بھی کر سکتا ہے۔ شترمرغ کے انڈے کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہوتا ہے۔

بعض پرندے بیماریاں بھی پھیلاتے ہیں، تقریباً 50 بیماریاں ایسی ہیں جو پرندوں کے ذریعہ پھیلتی ہیں۔ جو پرندے موسموں میں جگہ بدلتے ہیں وہ بھی کبھی کبھی بیماریوں کو دور دور تک لے جاتے ہیں۔ اسی لیے سائنس داں کہتے ہیں کہ پرندوں کو اپنے منھ سے نہیں لگانا چاہیے۔ بعض بیماریاں انڈوں سے بھی پھیلتی ہیں، اسی لیے کچا انڈا بھی نہ استعمال کرنا چاہیے۔

■

ماخذ: پودوں اور جانوروں کی دنیا
مصنف: اطہر پرویز، **چوتھی طباعت:** 2011
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

Subscription Form “Bachon Ki Duniya”

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر .... بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

صحت

آٹزم (Autism)

عبدالرحمن شافی

کیا آٹزم بیماری ہے؟

یہ سوال ذہن میں سب سے پہلے آتا ہے کہ کیا آٹزم ایک بیماری ہے؟۔نہیں،آٹزم کوئی بیماری یا کسی عیب یا نقص کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک حیاتیاتی تنوع (Biological Diversity) یا عصبی نشوونما کا فرق ہے۔یعنی ایسے بچوں کا ذہن دنیا کو عام لوگوں سے مختلف طریقے سے محسوس کرتا ہے۔اس میں کسی جراثیم یا وائرس کا دخل نہیں ہوتا، اس لیے آٹزم کا علاج عام دواؤں سے نہیں کیا جا سکتا۔یہ ایک عصبی (Neurological) کیفیت ہے جو بچپن سے ظاہر ہوتی ہے اور پوری زندگی ساتھ رہتی ہے۔

آٹزم زدہ بچے دنیا کو عام بچوں کی طرح نہیں سمجھ پاتے، وہ بات کرنے، اشارے سمجھنے، یا دوسروں کے جذبات محسوس کرنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔بعض بچوں کو شور، روشنی، یا اجنبی چہرے بھی پریشان کر دیتے ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کمزور ہیں بلکہ ان کے ذہن میں ایک الگ ترتیب، توجہ اور صلاحیت ہوتی ہے۔یہاں تک کہ بعض آٹزم زدہ بچے ریاضی موسیقی یا تصویری یادداشت میں حیران کن مہارت رکھتے ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ زیادہ تر والدین اور اساتذہ آٹزم کی ابتدائی علامات سے ناواقف ہیں اور شاید اسی وجہ سے (ایک رپورٹ کے مطابق) ہندستان میں تقریباً 18 ملین افراد آٹزم کے شکار ہیں۔ماہرین کے مطابق اگر ہندوستان میں آٹزم کی درست شناخت اور بروقت رہنمائی کے نظام کو تعلیم، صحت اور والدین کی تربیت کے شعبوں میں شامل کر لیا جائے، تو لاکھوں بچے بہتر زندگی گزار سکتے ہیں۔یعنی مسئلہ آٹزم نہیں، بلکہ سماجی بیداری ہے۔

آٹزم کی شناخت کیسے کی جائے؟

عام طور پر آٹزم کی نشانیاں دو یا تین سال کی عمر سے ظاہر ہونے لگتی ہیں، مگر بعض اوقات یہ بڑے ہونے کے ساتھ بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ علامات ہر بچے میں ایک جیسی نہیں ہوتیں، کسی میں ہلکی اور کبھی بہت گہری بھی ہو سکتی ہیں۔

ماہرین کے مطابق آٹزم کی نمایاں علامات کچھ اس طرح ہیں:

بات چیت میں دشواری: آٹسٹک بچے کو عموماً بات چیت اور زبان کے استعمال میں مشکل پیش آتی ہے۔ مثلاً وہ بولنے میں دیر کرتا ہے، الفاظ محدود ہوتے ہیں، یا جملے مکمل نہیں کر پاتا۔ کئی بار وہ دوسروں کی بات سمجھنے میں دقت محسوس کرتا ہے، یا مناسب جواب دینے کے بجائے خاموش رہتا ہے۔ بعض بچے اپنی بات کو دہراتے ہیں (Echoing)، جب کہ کچھ اپنے جذبات یا ضرورت کو لفظوں میں بیان نہیں کر پاتے۔

آنکھوں سے رابطہ نہ بنانا: اکثر آٹسٹک بچے دوسروں کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ نظری رابطہ (Eye Contact) قائم نہیں کر پاتے یا بہت کم دیر تک برقرار رکھتے ہیں، کیونکہ انھیں دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنا بسا اوقات غیر آرام دہ یا بوجھل محسوس ہوتا ہے، کیونکہ وہ ایک ہی وقت میں آواز، چہرے کے تاثرات اور جذبات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

دوسروں سے میل جول میں کم دلچسپی: آٹسٹک بچہ عموماً اکیلے کھیلنا پسند کرتا ہے۔ بچوں کے کھیل میں شامل ہونے کے بجائے اپنی دنیا میں مگن رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آٹسٹک بچے کے لیے سماجی اشاروں (Social Cues) جیسے مسکراہٹ، اشارہ، یا بات کا مطلب سمجھنا، کچھ پیچیدہ محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے وہ تنہائی میں زیادہ سکون محسوس کرتا ہے۔

بار بار ایک ہی عمل یا جملہ دہرانا: ایسے بچے اکثر ایک ہی حرکت یا عمل کو بار بار دہراتے ہیں۔ مثلاً وہ کسی چیز کو مسلسل گھماتے رہتے ہیں، کسی مخصوص لفظ یا جملے کو بار بار کہتے ہیں، یا ایک ہی کھیل کو بارہا اسی انداز میں کھیلتے ہیں۔

غیر معمولی توجہ یا دلچسپی: آٹسٹک بچے بعض اوقات کسی ایک چیز، رنگ، آواز یا حرکت پر ضرورت سے زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ مثلاً پنکھے کی گھومتی پتیوں، چلتی گاڑیوں، کسی کھلونے کے رنگ، یا کسی مخصوص آواز میں انھیں غیر معمولی دلچسپی ہوتی ہے۔

تبدیلی سے پریشانی: آٹسٹک بچے عموماً روزمرہ معمول (Routine) کے پابند ہوتے ہیں۔ جب ان کے معمول میں ذرا سی تبدیلی آ جاتی ہے، جیسے اسکول کا وقت، کھانے کی جگہ، یا کھیل کا طریقہ تو وہ الجھن، غصہ یا بے چینی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ردِعمل ان کی ضد نہیں بلکہ دماغ کے نظم و ضبط (Order and Predictability) سے وابستہ احساس کا نتیجہ ہوتا ہے۔

زبان یا اشاروں کا محدود استعمال: آٹسٹک بچہ اکثر بات کرنے کے بجائے اشاروں، چہرے کے تاثرات یا حرکات سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ آٹسٹک بچے کے لیے زبان اور الفاظ کے ذریعے اظہار نسبتاً مشکل ہوتا ہے، جب کہ غیر لفظی اظہار

(Non-verbal Expression) اس کے لیے زیادہ فطری اور آسان ہوتا ہے۔ ایسے بچے اکثر اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ ایک خاص اندازِ ابلاغ (Communication Pattern) بنا لیتے ہیں، جسے سمجھنے کے بعد ان سے بات چیت آسان ہو جاتی ہے۔

جسمانی حرکات میں فرق: کئی آٹسٹک بچے بار بار ہاتھ ہلانے، آگے پیچھے جھولنے، یا غیر ارادی جسمانی حرکات کرتے ہیں۔ یہ حرکات بعض اوقات خوشی، بے چینی یا ذہنی دباؤ کے ردِعمل کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ حرکات بچے کے لیے خود کو پرسکون رکھنے یا احساسات کو منظّم کرنے کا ایک فطری طریقہ ہوتی ہیں۔

عام بچوں سے زیادہ شرمیلا ہونا: بعض آٹسٹک بچے عام بچوں کے مقابلے میں زیادہ شرمیلے اور محتاط نظر آتے ہیں۔ وہ نئے لوگوں یا اجنبی ماحول میں گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں، اور اکثر بات چیت یا کھیل میں خود سے پہل نہیں کرتے۔

یہ تمام علامات ہر بچے میں مختلف سطح پر ظاہر ہو سکتی ہیں۔ کچھ بچوں میں صرف دو یا تین علامتیں دیکھی جاتی ہیں، جب کہ بعض میں زیادہ شدت کے ساتھ کئی علامتیں ایک ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ اسی لیے ماہرین زور دیتے ہیں کہ اگر والدین یا اساتذہ کو ابتدائی عمر میں ایسی کوئی کیفیت محسوس ہو، تو فوراً ماہرِ اطفال یا ماہرِ نفسیات سے رابطہ کریں۔

علم سے آگہی تک کا سفر: کچھ سال پہلے تک لوگ آٹزم کے بارے میں بہت کم جانتے تھے۔ مگر جیسے جیسے سائنس، نفسیات اور تعلیم کے میدان میں تحقیق بڑھی، آٹزم کی بہتر پہچان ہونے لگی۔ اب ڈاکٹروں، ماہرینِ نفسیات اور اساتذہ کے درمیان یہ سمجھ بڑھ رہی ہے کہ آٹزم ایک دماغی تنوع ہے۔

آٹسٹک بچے کی تربیت کے انداز: آٹزم کا کوئی ایک 'علاج' نہیں، مگر کئی طریقے ایسے ہیں جو مددگار ثابت ہو سکتے ہیں، جیسے:

- اسپیچ تھراپی Speech Therapy: اس کا مقصد بچے کی بولنے، سمجھنے اور بات چیت کرنے کی صلاحیت کو بہتر بنانا ہوتا ہے۔ کچھ بچے بول نہیں پاتے، کچھ کے الفاظ محدود ہوتے ہیں، اور بعض بچے الفاظ کو دہرائے بغیر مفہوم ادا نہیں کر پاتے۔ اسپیچ تھراپسٹ مختلف تکنیکوں کے ذریعے بچے کو آوازیں ادا کرنے، الفاظ جوڑنے، جملے بولنے اور غیر لفظی اظہار (مثلاً اشارے، تصویری کارڈز یا چہرے کے تاثرات) کے استعمال کی تربیت دیتے ہیں۔
- اطلاقی رویہ جاتی تجزیہ (ABA, Applied Behavior Analysis): یعنی ایسا عملی طریقۂ علاج یا تربیت جس میں بچے کے رویے (Behavior) کا مشاہدہ کر کے اسے مثبت سمت میں سکھایا اور ڈھالا جاتا ہے۔ یہ تھراپی آٹزم کے علاج یا تربیت میں سب سے موثر مانی جاتی ہے۔
- اوکیوپیشنل تھراپی (Occupational Therapy): یہ تھراپی آٹزم زدہ بچوں کے لیے بہت موثر مانی جاتی ہے، کیونکہ اس میں بچے کو روزمرہ زندگی کے عملی کام (جیسے کپڑے پہننا، کھانا کھانا، چیزیں پکڑنا، لکھنا، کھیلنا وغیرہ) سکھائے جاتے ہیں۔
- خصوصی تعلیم (Special Education): ایسے بچوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے جو عام تعلیمی طریقوں سے

سیکھنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ جیسے آٹزم، ڈسلیکسیا، یا دیگر ذہنی و جسمانی فرق رکھنے والے بچے۔ اس میں تصویری سیکھنے، کہانیوں، جسمانی حرکات، کھیل اور بات چیت کے ذریعے سماجی، ذہنی اور جذباتی نشو و نما پر زور دیا جاتا ہے۔

والدین اور معاشرے کا کردار

والدین کا کردار یہاں سب سے اہم ہے۔ اگر وہ بچے کو 'خاص' سمجھنے کے بجائے 'قابلِ محبت' سمجھیں، بچے کی ہر چھوٹی پیش رفت پر خوشی کے اظہار کے ساتھ اس کا حوصلہ بڑھائیں، تو آٹزم زدہ بچہ بھی اپنے انداز میں سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں معذوری یا ذہنی فرق کو آج بھی شرمندگی سمجھا جاتا ہے۔ کئی والدین اپنے آٹزم زدہ بچے کو دوسروں سے چھپاتے ہیں، اسے عام بچوں کے ساتھ اسکول نہیں بھیجتے، یا رشتے داروں کے سامنے خاموش رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسا رویہ نہ صرف بچے کے اعتماد کو توڑتا ہے بلکہ اس کی سیکھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت کو بھی محدود کر دیتا ہے۔

ایک آٹزم زدہ بچے کی تربیت صرف ماں باپ کی نہیں، بلکہ پورے معاشرے کی ذمے داری ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ (آٹسٹک بچے) دنیا کو ہم سے مختلف زاویے سے دیکھتے ہیں، اور اگر ہم ان کے ساتھ صبر، محبت اور توجہ سے پیش آئیں تو وہ بھی اپنی دنیا کے دروازے ہمارے لیے کھول دیتے ہیں۔

اساتذہ اور اسکول بھی اس عمل میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کلاس روم میں ایسے بچوں کے لیے مخصوص سیکھنے کے طریقے، مثلاً ویژوئل ایڈز، سادہ ہدایات، اور پرسکون ماحول کا ہونا ضروری ہے۔

آٹزم زدہ بچوں کے ساتھ ہمارا رویہ دراصل ہماری انسانی تربیت کا امتحان ہے۔ اگر ہم ان کے فرق کو احترام سے قبول کر لیں، تو ہم نہ صرف ایک بچے کی زندگی بدل سکتے ہیں، بلکہ معاشرے کی سوچ میں نرمی، ہمدردی اور شعور بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

■

Abdur Rehman Shafi
H.No: 110/75, S/F Gali No: 2
Ghaffar Manzil, Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 7017903577
abdurrehmanmalik70@gmail.com

آئی پی ایل 2026

عمران احمد

احمد آباد میں کھیلے گئے فائنل میں رائل چیلنجرس بنگلورو نے گجرات ٹائٹنس کو پانچ وکٹ سے شکست دے کر لگا تار دوسری مرتبہ انڈین پریمیر لیگ خطاب جیتا۔ وہ لگا تار دو مرتبہ انڈین پریمیر لیگ جیتنے والی تیسری ٹیم ہے۔ ایسا کرنے والی پہلی ٹیم چنئی سپر کنگس تھی جس نے 2010 میں پہلی مرتبہ یہ خطاب جیتنے کے بعد 2011 میں کامیابی کے ساتھ اس کا دفاع کیا تھا۔ ممبئی انڈینس نے 2019 میں چوتھی مرتبہ انڈین پریمیر لیگ خطاب جیتا تھا۔ 2020 میں اس نے کامیابی کے ساتھ اپنے خطاب کا دفاع کیا تھا۔

اس ٹورنامنٹ میں چوکوں اور چھکوں کی بارش دیکھنے کو ملی۔ اس سے پہلے کسی ایک ایڈیشن میں اتنے چھکے او چوکے نہیں لگے تھے۔

انڈین پریمیر لیگ کے انیسویں ایڈیشن میں 74 میچوں کی 147 اننگز میں 119 بلے باز 1426 چھکے مارنے میں کامیاب رہے جو ایک ایڈیشن میں سب سے زیادہ چھکے ہیں۔ اس سے پہلے ایک ایڈیشن میں سب سے زیادہ چھکے گذشتہ سال ہوئے ٹورنامنٹ میں لگے تھے تب 73 میچوں کی 143 اننگز میں 112 بلے باز 1294 چھکے مارنے میں کامیاب رہے تھے۔ ایک سیزن میں سب سے کم چھکے جنوبی افریقہ میں 2009 میں ہوئے ٹورنامنٹ میں لگے تھے تب 81 کھلاڑیوں نے 57 میچوں میں 506 چھکے لگائے تھے۔

اس ٹورنامنٹ میں 1426 چھکے مجموعی طور پر 119 کھلاڑیوں نے لگائے ہیں۔ راجستھان رائلز کے ویبھو سوریہ ونشی نے 16 اننگز میں 72 چھکوں کے ساتھ ایک سیزن میں سب سے زیادہ چھکے لگانے کا ریکارڈ بھی اپنے نام کیا۔ سن رائزرس حیدرآباد کے ابھیشیک شرما دوسرے مقام پر رہے۔ انھوں نے 15 اننگز میں 113 چھکے لگائے

ہیں۔ تیسرے مقام پر رائل چیلنجرس بنگلورو کے رجت پاٹیدار نے 15 اننگز میں 42 چھکے لگائے۔ ان کے بعد ممبئی انڈینس کے ریان ریکلٹن نے 12 اننگز میں 38، لکھنؤ سپر جائنٹس کے مچل مارش نے 13 اننگز میں 36 چھکے لگائے ہیں۔

کولکاتہ میں کولکاتہ نائیٹ رائیڈرس اور گجرات ٹائٹنس کے درمیان 16 مئی 2026 کو ہوئے میچ میں کل سات کھلاڑیوں نے 34 چھکے مارے جو انڈین پریمیر لیگ کے ایک میچ میں چوتھے سب سے زیادہ چھکے ہیں اور اس سیزن کے ایک میچ میں سب سے زیادہ چھکے ہیں۔ اس میچ میں چالیس اوور میں چھ وکٹوں کے نقصان پر 465 رن بنے۔ کولکاتہ نائیٹ رائیڈرس نے مقررہ 20 اوور میں دو وکٹ پر 247 رن بنائے جس میں چار کھلاڑیوں نے 22 چھکے لگائے جو انڈین پریمیر لیگ میں ایک انگ میں مشترکہ طور پر دوسرے سب سے زیادہ چھکے ہیں۔ گجرات ٹائٹنس نے 20 اوور میں چار وکٹ پر 218 رن بنائے جس میں تین کھلاڑیوں نے بارہ مرتبہ بال کو باونڈری لائین سے باہر کی سیر کرائی تھی۔

دہلی کیپٹلس اور پنجاب کنگس کے درمیان دہلی میں 25 اپریل 2026 کو ہوئے میچ میں آٹھ کھلاڑیوں نے کل 33 چھکے مارے جو اس مرتبہ ایک میچ میں مشترکہ طور پر دوسرے سب سے زیادہ چھکے ہیں۔ دہلی کے دو کھلاڑیوں نے تیرہ اور پنجاب کے چھ کھلاڑیوں نے بیس چھکے مارے۔

اتنے ہی چھکے ممبئی انڈینس اور لکھنؤ سپر جائنٹس کے درمیان ممبئی میں 4 مئی 2026 کو لگے تھے۔ اس میچ میں دس کھلاڑیوں نے 33 چھکے مارے۔ ممبئی انڈینس کی جانب سے چار کھلاڑیوں نے سترہ اور لکھنؤ سپر جائنٹس کے لیے چھ کھلاڑیوں نے سولہ چھکے مارے تھے۔

انڈین پریمیر لیگ میں اس مرتبہ 74 میچوں کی 147 اننگز میں 138 بلے باز 2332 چوکے مارنے میں کامیاب رہے جو ایک ایڈیشن میں سب سے زیادہ چوکے ہیں۔ اس سے پہلے ایک ایڈیشن میں سب سے زیادہ چوکے گذشتہ سال ہوئے ٹورنامنٹ میں پڑے تھے تب 73 میچوں کی 143 انگوں میں 118 بلے باز 2245 چوکے مارنے میں کامیاب رہے تھے۔ ایک سیزن میں سب سے کم چوکے جنوبی افریقہ میں 2009 میں ہوئے

ٹورنامنٹ میں لگے تھے تب 110 کھلاڑیوں نے 57 میچوں میں 1316 چوکے لگائے تھے۔

انڈین پریمیر لیگ میں 2332 چوکے کل 138 کھلاڑیوں نے لگائے ہیں۔اس سے قبل سب سے زیادہ چوکے گجرات ٹائٹنس کے سائی سدھرسن نے لگائے۔ انھوں نے 17 اننگز میں 75 چوکے لگائے ۔اس کے بعد شبھمن گل نے 16 اننگز میں 74 چوکے لگائے ہیں۔ پھر رائل چیلنجرس بنگلورو کے وراٹ کوہلی کا نمبر آتا ہے جنھوں نے 16 اننگز میں 73 چوکے لگائے ہیں۔راجستھان رائلز کے ویبھو سوریہ ونشی نے 16 اننگز میں 63 چوکے لگانے کے ساتھ واحد ایسے بلے باز بن گئے ہیں جنھوں نے پچاس سے زیادہ چوکے اور چھکے لگائے ہیں۔

ایک میچ میں سب سے زیادہ چوکے لگانے کا ریکارڈ دہلی کیپٹلس اور پنجاب کنگس کے درمیان کھیلے گئے میچ کو حاصل ہے۔ یہ مقابلہ دہلی میں 25 اپریل 2026 کو ہوا تھا۔ اس میچ میں نو کھلاڑیوں نے کل 49 چوکے لگائے تھے۔ دہلی کیپٹلس کے تین کھلاڑیوں نے 29 اور پنجاب کنگس کے چھ کھلاڑیوں نے 20 چوکے لگائے تھے۔

راجستھان رائلز کے ویبھو سوریہ ونشی اس مرتبہ انڈین پریمیر لیگ میں سب سے زیادہ رن بنانے والے کھلاڑی بن گئے ہیں۔ انھوں نے 16 میچوں کی 16 اننگز میں 48.50 کی اوسط اور 237.30 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ ایک سنچری اور پانچ نصف سنچریوں کی مدد سے 776 رن بنائے۔ یہ اورنج کیپ حاصل کرنے والے بن گئے ہیں۔

جنوبی افریقہ سے تعلق رکھنے والے گجرات ٹائٹس کے تیز بالر کگسو رباڈا پرپل کیپ کے حقدار بنے، انھوں نے اس سیزن میں سب سے زیادہ وکٹ حاصل کیے ہیں۔ انھوں نے 17 میچ کھیلے ان کی 17 اننگوں میں 64.4 اوور میں 626 رن دے کر 21.58 کی اوسط اور 13.37 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ 29 کھلاڑیوں کو آوٹ کیا۔ ان کی سب سے اچھی بالنگ کارکردگی چار اوور میں 25 رن دے کر تین وکٹ رہی۔ یہ کارنامہ انھوں نے چنئی سپر کنگس کے خلاف چنئی میں 26 اپریل 2026 کو انجام دیا تھا۔ اس میچ میں ان کی ٹیم کو آٹھ وکٹ سے کامیابی ملی تھی۔

■

Imran Ahmed
2111 Road Gran
Lal Kuan
Delhi- 110006
Mob.: 9210806296
imran.rod.gran@gmail.com

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نوعمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ درج ذیل کتاب پر یہ تبصرہ بھی ورکشاپ میں شامل ایک طالب علم کی کاوش ہے، جسے بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

کائیں کائیں

مصنف: مشتاق احمد نوری

صفحات: 20، قیمت: 30/روپے، سنہ اشاعت: 2025

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: محمد عفان، درجہ یازدہم، اینگلوعربک سینئر سیکنڈری اسکول اجمیری گیٹ، دہلی۔110006

'**کائیں کائیں**' مشتاق احمد نوری کی ایک مختصر مگر نہایت جذباتی کہانی ہے جو ہر عمر کے قارئین پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

پہلی نظر میں یہ کہانی ایک معصوم بچے اور دیوار پر بیٹھے ایک کوّے کے بارے میں ایک ہلکی پھلکی داستان معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی ہے، یہ محبت، صبر اور زندگی کے چکر کے بارے میں ایک گہرا سبق بن جاتی ہے۔ مصنف نے پیچیدہ واقعات یا ڈرامائی موڑوں کے بجائے روزمرہ کے خاندانی تعلقات کے ذریعے غیر معمولی جذبات کو پیش کیا ہے۔

کہانی کا آغاز ایک ایسے والد سے ہوتا ہے جو کسی اہم کام میں مصروف ہیں جبکہ ان کا تین سالہ بیٹا قریب ہی کھیل رہا ہے۔ دیوار پر ایک کوّا بیٹھا مسلسل 'کائیں کائیں' کر رہا ہے۔ چھوٹے بچوں کی طرح بچہ بھی تجسس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے والد سے پوچھتا ہے:

''ابو، وہ کیا ہے''

والد محبت سے جواب دیتے ہیں:

''بیٹا، وہ کوّا ہے''

اس کے بعد بچہ بار بار ایک ہی سوال مختلف انداز میں پوچھتا ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ کوّا کیا ہے، وہ کالا کیوں ہے اور وہ کیسی آواز نکال رہا ہے۔ والد ذرا بھی ناراض نہیں ہوتے بلکہ ہر سوال کا محبت اور تحمل سے جواب دیتے ہیں۔ جب ماں بچے کو ٹوکتی ہے کہ وہ اپنے والد کو پریشان نہ کرے، تو والد نرمی سے اسے روک دیتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ یہی وہ عمر ہے جب بچے دنیا کے بارے میں سیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تجسس بچپن کا فطری حصہ ہے اور بچوں کو سمجھنے اور یاد رکھنے کے لیے بار بار سننے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کہانی کا پہلا حصہ محبت، شفقت اور نرمی سے بھرپور ہے۔ قارئین بچے کی معصومیت پر مسکراتے ہیں اور والد کے نرم مزاج رویے کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن کہانی کی اصل جذباتی طاقت دوسرے حصے میں سامنے آتی ہے۔

تیس سال گزر جاتے ہیں۔ چھوٹا بچہ اب بڑا ہو چکا ہے۔ اس کا اپنا خاندان ہے، نوکری ہے اور بے شمار ذمہ داریاں

ہیں۔ دوسری طرف اس کے والد بوڑھے ہو چکے ہیں اور ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک دن بوڑھے والد اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ ان کے لیے ایک نئی دھوتی لے آئے کیونکہ پرانی پھٹ چکی ہے۔ یہ ایک معمولی اور جائز درخواست ہے۔ والد نرمی سے اسے یاددلاتے ہیں، لیکن بیٹا کام کی مصروفیت میں بھول جاتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے لیے ایک خوبصورت ساڑھی تو خرید لیتا ہے، مگر والد کی دھوتی نہیں لاتا۔ والد شکایت نہیں کرتے بلکہ یہی سوچتے ہیں کہ شاید بیٹا بہت مصروف ہوگا۔

اگلے دن وہ دوبارہ یاددلاتے ہیں۔ اس بار بھی بیٹا خالی ہاتھ واپس آ جاتا ہے۔ پھر بھی والد ناراض نہیں ہوتے۔ تیسرے دن وہ نہایت نرمی سے اپنی درخواست پھر دہراتے ہیں، لیکن اس موقعے پر بیٹا اپنا صبر کھو بیٹھتا ہے۔ وہ غصے سے والد کی طرف دیکھ کر کہتا ہے:

”یہ کیا کوّے کی طرح کائیں کائیں لگا رکھی ہے؟
میں نے پہلے دن ہی سن لیا تھا!“

یہ ایک جملہ پوری کہانی کا رخ بدل دیتا ہے۔ اچانک قاری تیس سال پیچھے چلا جاتا ہے، جب یہی بیٹا چھوٹا سا بچہ تھا اور بار بار کوّے کے بارے میں سوال پوچھ رہا تھا، لیکن والد بغیر کسی غصے اور جھنجھلاہٹ کے اس کے ہر سوال کا جواب دے رہے تھے۔

کہانی کی اصل خوبصورتی اسی موازنے میں پوشیدہ ہے۔ مصنف کو لمبی وضاحتوں یا ڈرامائی مناظر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ صرف ایک جملہ ہی والدین کی قربانیوں اور اولاد کی بھول جانے والی فطرت کو نمایاں کرنے کے لیے کافی ہے۔

کوّا بھی اس کہانی میں ایک مضبوط علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ابتدا میں اس کی ’کائیں کائیں‘ معصوم تجسس اور بچپن کی نمائندگی کرتی ہے، جب کہ اختتام پر یہی آواز بے توجہی، بے صبری اور بڑھاپے کی تلخ حقیقت کی علامت بن جاتی ہے۔

کہانی کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ خاندانی تعلقات کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرتی ہے۔ زندگی کی مصروفیات، ملازمت اور ذاتی ذمہ داریوں میں الجھ کر بہت سے لوگ اپنے بوڑھے والدین کی ضروریات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ کہانی یاد دلاتی ہے کہ جن والدین نے اپنی پوری زندگی اولاد کی پرورش میں لگا دی، وہ بڑھاپے میں اسی محبت، صبر اور احترام کے مستحق ہیں۔

’کائیں کائیں‘ کی زبان سادہ، آسان اور بچوں کے لیے موزوں ہے، لیکن اس سادگی کے اندر ایک نہایت گہرا اخلاقی اور جذباتی پیغام پوشیدہ ہے۔

اس کہانی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ قاری کو خود احتسابی پر مجبور کر دیتی ہے۔

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ’کائیں کائیں‘ ایک خوبصورت اور جذباتی کہانی ہے جو شکر گزاری، صبر، احترام اور والدین کے حقوق جیسے لازوال اقدار سکھاتی ہے۔ والد اور بیٹے کے تعلق کے ذریعے مشتاق احمد نوری ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ والدین کی محبت اکثر خاموش، بے لوث اور غیر مشروط ہوتی ہے۔ کہانی کا اختتام قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتا ہے اور اسے اپنے والدین کی قدر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

■

Mohd Affan
1916, Gali Chunna Mal Hauz Suiwalan
Daryaganj ,Delhi-110006
Mob.: 7291957132
E-mail - affanazam729@gmail.com

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔ (ادارہ)

1. یوم آزادی کے دن دہلی کے لال قلعے پر پرچم کون لہراتا ہے؟
2. پہلی بار یومِ آزادی کب منایا گیا تھا؟
3. بھارت کے علاوہ اور کون سے ممالک ہیں جہاں 15 اگست کو یوم آزادی منایا جاتا ہے؟
4. 'بلبل ہند' کسے کہا جاتا ہے؟
5. یوم آزادی کے موقعے پر مہاتما گاندھی کہاں تھے؟
6. قومی ترنگے کو سب سے پہلے کس نے ڈیزائن کیا تھا؟
7. ہندوستان کے قومی ترانہ (راشٹریہ گان) اور اس کے مصنف کا نام بتائیں؟
8. ہندوستان کے قومی گیت (راشٹریہ گیت) اور اس کے مصنف کا نام بتائیں؟
9. پہلے قومی ترنگے میں کتنے اور کون کون سے رنگ تھے؟
10. قومی ترنگے میں اشوک چکر کو کب شامل کیا گیا؟
11. قومی ترنگے میں سفید رنگ کس کے کہنے پر شامل کیا گیا؟
12. موجودہ قومی ترنگے میں کتنے اور کون کون سے رنگ شامل ہیں؟
13. قومی ترانہ 'جن گن من' کو مکمل گانے کے لیے کتنے سیکنڈ مقرر ہیں؟
14. موجودہ ترنگا آئین ساز اسمبلی میں قومی پرچم کے طور پر کب اپنایا گیا تھا؟
15. 1857 کی جنگ آزادی میں جھانسی کی قیادت کس نے کی تھی؟
16. ''تم مجھے خون دو، میں تمھیں آزادی دوں گا'' کس مجاہد آزادی کا نعرہ ہے؟
17. 'مردِ آہن' کس کا لقب ہے؟
18. 'انقلاب زندہ باد' جیسا تاریخی نعرہ کس مجاہد آزادی نے کب دیا تھا؟
19. 'یہ دیش ہے ویر جوانوں کا' کس شاعر نے تحریر کیا ہے؟
20. 'خاک ہند' جیسی مشہور نظم کس شاعر نے لکھی ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 39 پر ملاحظہ فرمائیں)

اعوان الاسلام قدوائی، درجہ دوم، ڈی اے وی بریاتو، رانچی، جھارکھنڈ

فاطمہ سید حمید، درجہ چہارم، پیراڈائز ہائی اسکول
مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

عفیفہ صدیقی، درجہ ہفتم، کیندریہ ودیالیہ، دہلی کینٹ، دہلی

انصاری درخشاں عبدالحمید، درجہ پنجم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن، اسکول نمبر، مہاراشٹر

رخسار سلیم شیخ، درجہ پنجم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن، اسکول نمبر، مہاراشٹر

ریشما شاہ محمد انصاری، درجہ پنجم
بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن، اسکول نمبر، مہاراشٹر

زائشہ خالد، درجہ نرسری، کے ڈی پی ایس، سبھاش کالونی روڈ، رُدراپور، اتراکھنڈ

منال، درجہ سوم، سید حامد اکیڈمی، شاہین باغ، نئی دہلی

ذکرہ محمد مشتاق انصاری، درجہ پنجم
بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن، اسکول نمبر، مہاراشٹر

اقصیٰ محمد حمزہ انصاری، درجہ پنجم، بھیونڈی نظام پورشہر میونسپل کارپوریشن، اسکول نمبر، مہاراشٹر

تہمیم ناز ایم جاگیردار، درجہ ہشتم، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پورا، کرناٹک

صدف فاطمہ عارف الدین، درجہ ششم، گورنمنٹ اردو گرلز، ہائر سیکنڈری اسکول
برہانپور، مدھیہ پردیش

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد وشمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, अगस्त 2026, वर्ष 14, अंक 08
BACHON KI DUNIYA Monthly, August 2026 Vol. 14, Issue: 08
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/07/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

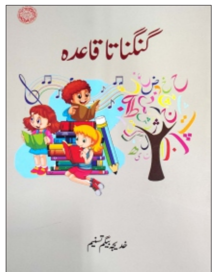

صفحات:37، قیمت:30 روپے

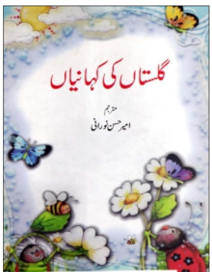

صفحات: 69، قیمت:30 روپے

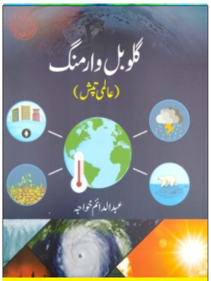

صفحات:119، قیمت: 160 روپے

صفحات: 31، قیمت: 15 روپے

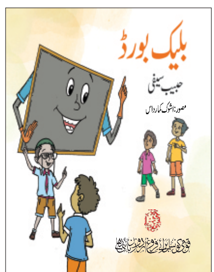

صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

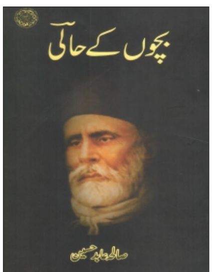

صفحات:43، قیمت: 20 روپے

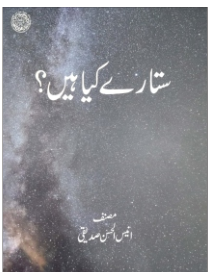

صفحات:166، قیمت: 400 روپے

صفحات : 43، قیمت:15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.